UNIVERSAL
LIBRARY
OU_222301
UNIVERSAL
LIBRARY

(جملہ حقوق بذریعہ رجسٹری محفوظ ہیں)

کتب خانہ کلیہ جامعہ عثمانیہ

خیالاتِ شہباز

یعنی

مولوی سید محمد عبدالغفور صاحب شہباز مرحوم مصنفِ رباعیاتِ شہباز

وحیات بے نظیر یعنی سوانح عمری نظیر اکبر آبادی وغیرہ وغیرہ کی

ان

۲۲۱۰۳

چند نظموں کا مجموعہ جس کو سید عبدالمجید صاحب نے اپنے

اہتمام سے

نظامی پریس بدایوں میں چھپوایا

سنہ ۱۹۱۶ء

نظام الدین حسین پرنٹر

(بدر رستم سہارنپوری)

المشتہر سید اختر حسن نمبر ۶۲ تالتلا لین کلکتہ

قیمت فی جلد علاوہ محصول ڈاک ۱۲ر

اطّلاع

یہ کتاب (خیالاتِ شہباز) میرے والد ماجد مرحوم مولوی سید محمد عبدالغفور شہباز کی تصنیف سے ہے اس کا حق تصنیف مجھے وراثتہً پہنچا ہے اور میں نے بصرفِ کثیر اپنے اہتمام سے مطبع نظامی بدایوں میں اسے چھپوایا ہے۔ اس کے کل حقوق حسب ایکٹ ۳ ۱۹۱۴ء (سوپریم کونسل) محفوظ ہیں۔ کوئی صاحب بغیر میری تحریری اجازت کے اس کتاب کے کل یا جزو کے چھاپنے یا چھپوانے کا قصد نہ فرمائیں ورنہ حسب منشاے دفعات ۶ و ۷ ایکٹ مذکورۂ بالا دیوانی اور فوجداری مواخذہ میں گرفتار ہوں گے۔

وما علینا الا البلاغ

راقمہ
بشریٰ بیگم

Checked 1969.

Checked 1975

تنقیح ۱۹۴۶ء
۱۵۹ء
کتب خانہ کلیہ جامعہ عثمانیہ

ھوالغفور

مولوی سید محمد عبدالغفور شہباز ہندوستان کے اُن مشاہیر شعرا ونثار میں سے تھے جن کے سر قبولیت عامہ کا سہرا بندھ چکا ہی۔ اُن کا مولد اگرچہ سہرا میں ہی۔ لیکن مرحوم نے بدو شعور سے باڑھ ضلع پٹنے کو جہاں اُن کی ننھیال بھی اپنا توطن کر لیا تھا۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام سید طالب علی تھا۔ صوبہ بہار میں سادات نجیب الطرفین ہونے کے سبب سے ان کا خاندان ہمیشہ معزز و موقر رہا ہی۔ ابتدا میں مرفہ الحالی بھی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ اس حالت میں انحطاط پیدا ہونا شروع ہوگیا۔ یہاں تک کہ مرحوم اور اُن کے دیگر اراکین خاندان کو مجبوراً ملازمت کی طرف توجہ مبذول کرنی پڑی۔

مرحوم شہباز نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی تھی مگر وہ تعلیم سے زیادہ تربیت کے سبق دیتے تھے۔ یہی وجہ ہی کہ آخر عمر تک وہ خوش چلن رہے۔ مرحوم انگریزی پڑھنے کے لیے جب اسکول میں داخل ہوے تو خان بہادر مولوی سید عبدالعزیز سب جج (اپنے نسبتی بھائی) کے پاس رہنے لگے۔ سب جج صاحب ایک نیک نام اور قابل عہدہ داروں میں تھے۔ علم و فضل کے ساتھ خوش مذاقی

اور حسنِ اخلاق میں بہت مشہور تھے - مرحوم شہباز کی یہ خوش نصیبی نہیں تو کیا تھی
کہ لڑکپن ہی سے اُن کو ایک ایسے قابل اور بزرگ کے زیرِ عاطفت تعلیم اور نشو و نما
کا موقع مل گیا جس کی چھوٹے چھوٹے بچّوں کو اشد ضرورت ہوتی ہے - یہاں
شہباز نے فارسی اور عربی کو دل لگا کر پڑھا اور انگریزی میں انٹرنس کے درجے تک
پہنچ کر کچھ عرصے تک تلاشِ معاش میں مشغول رہے - مگر جب کوئی معقول صورت نہ نکلی
تو سب جج صاحب نے اُن کو اپنے پاس تعلیم کے لیے نہیں بلکہ امیدواری ملازمت
کے لیے پھر بُلا لیا - اس زمانے میں اُردوئے معلّی کے فدائی مولوی سید محمد صاحب
مظفر پور (صوبہ بہار) میں رجسٹرار تھے (جو بعد حصولِ خطابِ نوابی عہدۂ جلیلۂ انسپکٹر جنرل
رجسٹریشن صوبہ بنگال و بہار سے پنشن یاب ہوئے) سیّد محمد عبد الغفور اگرچہ اس زمانے
میں کم سن تھے لیکن وہ ایسی پیاری اُردو لکھتے تھے کہ لوگ عش عش کرتے تھے - شدہ شدہ
اُردو لٹریچر میں اُنھوں نے اتنی ترقی کی کہ صوبہ بہار اب تک مرحوم کی نظیر پیدا نہیں کر سکا -
اسی اُردو کی چاٹ نے مولوی سید محمد صاحب اور شہباز کے درمیان رسل و رسائل کی بنیاد
ڈالی - شہباز کے دل میں شوقِ ملاقات اور حصولِ نیاز کا ذوق پیدا ہوا تو مولوی سید محمد
صاحب نے اُن کو اپنے پاس بُلا لیا - اس زمانے میں نواب سیّد محمود آزاد مولوی سید محمد
صاحب کے بھائی بھی مظفر پور میں موجود تھے - یہ دونوں علم دوست بھائی کم سن شہباز کی
ذہانت لیاقت اور بلند پروازیوں سے اس قدر خوش ہوئے کہ دل سے بہی خواہ اور
سرپرست بن گئے - اسی زمانے میں کلکتے سے "دار السلطنت" ایک اُردو اخبار جاری
ہونے والا تھا - مالکانِ اخبار نے نواب بہادر عبد اللطیف خاں (سی - آئی - ای) مرحوم
اور نواب سید محمد صاحب سے درخواست کی کہ وہ اخبار کے لیے کوئی لائق اڈیٹر

تجویز فرمادیں - چناں چہ ان دونوں صاحبوں نے مرحوم شہباز کو انتخاب کیا۔ شہباز مرحوم نے "دارالسلطنۃ" کی پہلی زندگی میں جس لیاقت اور قابلیت کے ساتھ روح پھونکی دوسرے جنم میں ویسی روح اُس کو نصیب نہ ہوئی - چند سال کے بعد جب اخبار بوجوہ بند کردیا گیا تو شہباز اپنے وطن واپس چلے آئے -

کچھ عرصے کے بعد نواب عبداللطیف خاں مرحوم نے "مذاکرہ علمیہ کلکتہ" ایک مجلس کے سلسلے میں مرحوم شہباز کو کلکتے پھر بلا لیا - جہاں اُنھوں نے نہایت عمدہ طرح سے کام کیا - اسی زمانے میں کلکتے کی مشہور نمایش (۸۴-۱۸۸۳ء) کا بڑے پیمانے اور زور شور کے ساتھ افتتاح ہوا - مرحوم شہباز نے بمشورہ خان بہادر نواب زادہ ابوالخیر محمد عبدالسبحان ڈپٹی مجسٹریٹ و دیگر احباب "جریدہ نمایش" کے نام سے ایک اخبار جاری کیا - یہ اگرچہ قد و قامت میں ایک چھوٹا سا پرچہ تھا لیکن زمانۂ قیام نمایش میں یہ صغیرالسن پرچہ اس قدر پھلا پھولا کہ لوگ آج تک اُس کو یاد کرتے ہیں - ۱۸۸۵ء میں جب نواب عبداللطیف خاں مرحوم وزیر بھوپال ہوئے تو مرحوم شہباز کو بطور پرسنل اسسٹنٹ اپنے ساتھ لیتے گئے - وہاں اُنھوں نے نہایت دیانت - قابلیت اور لیاقت کے ساتھ اپنے فرائض کو انجام دیا - بھوپال کی واپسی کے بعد مرحوم شہباز نواب سید محمد صاحب کے ساتھ پٹنے میں رہنے لگے - نواب صاحب ان دنوں یہاں ڈپٹی کلکٹر تھے - یہی وہ زمانہ ہے کہ مرحوم شہباز کو اپنی انگریزی تعلیم کی تکمیل کا خیال از سر نو بڑے جوش کے ساتھ پیدا ہوا - اور بہار نیشنل اسکول کے انٹرنس کلاس میں داخل ہو کر نہایت استقلال اور محنت کے ساتھ تعلیم شروع کر دی - بالآخر اس محنت کا یہ نتیجہ ملا کہ اول درجے میں انٹرنس

پاس کر کے وظیفہ حاصل کیا۔ بعد ازاں بہار نیشنل کالج سے دو برس کے بعد ایف اے پاس کر کے بی۔ اے میں پڑھنے لگے۔ لیکن بی اے کے عین امتحان کے وقت بدقسمتی سے امراضِ صدر میں وہ ایسے مبتلا ہوئے کہ شریک امتحان نہ ہو سکے۔ ڈاکٹروں نے امراضِ صدر دیکھ کر یہ رائے دی کہ آیندہ تعلیم روک دی جائے۔ جب وہ تعلیم کی طرف سے مایوس ہو گئے تو اب ان کو پھر تلاش روزگار کی فکر ہوئی۔ اس وقت یہ صاحب اولاد ہو چکے تھے۔ آخر کار ریاست حیدر آباد کے ہوم ڈپارٹمنٹ میں مولوی عزیز مرزا مرحوم کی ماتحتی میں مترجمی وغیرہ کے کام پر مامور ہو گئے۔ کچھ عرصے وہاں کام کر کے اورنگ آباد دکن کالج میں پروفیسری پر بھیج دیے گئے جہاں مرحوم کو تصنیف و تالیف کا اچھا موقع مل گیا تھا۔ پروفیسری کے بعد ریاست بھوپال کے سررشتہ تعلیم کے ڈائرکٹر مقرر ہو کر گئے۔ وہاں اُن کی دلّی والی دوسری بیوی کا انتقال ہو گیا۔ وہ من جملہ اور وجوہ کے اس صدمۂ جانکاہ سے بیمار ہو گئے اور ریاست کی نوکری سے مستعفی ہو کر دلّی اپنی سسرال چلے گئے۔ نواب سید محمد صاحب نے اُن کی بیماری اور بے کاری کا حال سُن کر اپنے پاس کلکتے بُلا لیا۔ نواب صاحب ممدوح اس زمانے میں انسپکٹر جنرل رجسٹرار بنگال و بہار تھے۔ باوجود باقاعدہ تیمارداری اور علاج معالجے کے مرحوم شہباز جاں بر نہ ہو سکے۔ یکایک اُن پر فالج گرا اور ۳۰۔ نومبر ۱۹۰۸ء کو مرحوم نے ملکِ فانی سے ملکِ جاودانی کو کوچ کیا اور کلکتے کے سرکاری قبرستان میں ہمیشہ

ہمیشہ کے لیے سپردِ خاک کر دیے گئے۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

مرحوم شہباز کو فارسی فنِ ادب کا مذاق زیادہ تر مولوی سیّد محمود آزاد مرحوم کی صحبت اور اُن کی نایاب اور قیمتی پرائیویٹ لائبریری سے حاصل ہوا تھا۔ مرحوم آزاد کو فارسی زبان کے ساتھ ایک خاص قسم کا شغف تھا وہ اپنے زمانے کے بنگالے میں ایک مشہور فارسی شاعر تھے۔ کبھی کبھی اُردو میں بھی شاعری کرتے تھے اُن کا ایک فارسی دیوان ہے جس کا دیباچہ اُنھوں نے مرحوم شہباز سے لکھوایا تھا۔ فارسی کی یہ پہلی علمی نثر تھی جو شہباز کے قلم سے نکلی تھی۔ دیباچے کے بعد اُنھوں نے دریا پر ایک نظم لکھّی جو بہت پسند کی گئی۔

مولوی جمال الدین افغانی ایک مشہور عالم اور محقق تھے۔ جن کی اسپیچیں اور مضامین مشہور ہیں۔ شہباز نے اُن سے بہت کچھ استفادہ کیا تھا۔ عربی فنِّ ادب کی بعض کتابیں باقاعدہ ان سے پڑھی تھیں۔ مولانا جمال الدین کی اسپیچیں اور مضامین "مقالاتِ جمالیہ" کے نام سے مرحوم شہباز نے چھپوا دیئے ہیں۔ اس مجموعے کے بعد مرحوم شہباز نے خود اپنی اُن رباعیوں کو طبع کرایا جو طرزِ جدید کی نتیجہ خیز اور فوائد بیز رباعیاں تھیں۔ اس مجموعے کو نواب بہادر سر احسن اللہ مرحوم نواب ڈھاکہ نے قدر افزائی فرماکر اپنی جیب خاص سے چھپوا دیا تھا۔ رباعیوں کے بعد اکبر آباد (آگرہ) کے مشہور شاعر میاں نظیر کی سوانح عمری چند سال کی مسلسل کوشش اور محنت سے ترتیب دی یہ کتاب اول سے آخر تک مغربی مصنفوں کی طرز پہ

تالیف ہوئی ہی۔ اس کے پڑھنے سے مرحوم مصنف کی اعلیٰ انشاپردازی اور بلند پروازی کا کامل ثبوت ملتا ہی۔ میرے خیال میں اردو لٹریچر اس کی مثال پیش نہیں کرسکتا۔

مرحوم شہباز کے مضامین نثر و نظم اگرچہ ہندوستان کے مختلف اخباروں اور رسالوں میں نکلا کرتے تھے۔ مگر خصوصیت کے ساتھ وہ اودھ پنچ لکھنؤ کے ممتاز نامہ نگاروں میں تھے۔ اُن کی نامہ نگاری کے زمانے کا اودھ پنچ اُٹھا کر دیکھو تو معلوم ہو جائے گا کہ دُھواں دھار مضامین اور چُلبلی نظمیں کیسا اپنا زور دکھا رہی ہیں۔ پنڈت کشن پرشاد صاحب کول ہندوستانی اخبار لکھنؤ کے اڈیٹر منشی سیّد سجّاد حسین مرحوم اڈیٹر اودھ پنچ اور نامہ نگاران اخبار مذکور کی سوانح عمریاں اور اُن کی اردو کے نمونے گلدستۂ پنچ کی پہلی جلد میں شائع کر چکے ہیں۔ پنڈت صاحب موصوف کی قدردانی سے امید کی جاتی ہی کہ مرحوم شہباز کی مختصر تالیف اور اُن کے مضامین بھی گلدستۂ پنچ کی دوسری جلد میں درج فرمائیں گے۔ کیوں کہ بغیر مضامین شہباز گلدستے میں شادابی نہیں پیدا ہوسکتی۔

مرحوم شہباز کے ان مختصر حالات کے بعد ضرورت ہی کہ خیالات شہباز کے متعلق بھی چند سطریں لکھی جائیں۔ خیالات شہباز مرحوم کی اُن چند نظموں کا ایک مختصر سا مجموعہ ہی جو اپنے خیالات اور طرزِ ادا میں بے نظیر ہی اور جو اُن کی ہزارہا نظموں میں سے بطور مشتے نمونہ

ازحزوارے پبلک میں پیش کیا جاتا ہی۔ مرحوم شہباز نے اگر قدر دانوں میں جنم لیا ہوتا تو آج کسی اکیڈمی میں اُن کا مجسّمہ یا کسی کالج کے سنٹرل ہال میں اُن کے نام کا کتبہ یا کسی لائبریری میں متعدد شہباز شلف رکھّے ہوتے مگر وہ ایک ایسی مُردہ قوم میں پیدا ہوئے تھے جو کسی کی تازہ یادگار تو کیا قائم کرے گی اپنے برگزیدہ اسلاف کی بنی بنائی یادگاریں مٹانے میں ذرا بھی دریغ نہیں کرتی ہے ؎

نام نیک رفتگاں ضائع مکن
تا بماند نامِ نیکت برقرار

شہباز مرحوم کی منجھلی صاحب زادی بشریٰ بیگم صاحبہ کو خدا جزائے خیر دے کہ جنھوں نے نواب سید محمد صاحب کی صلاح اور تائید سے مرحوم کی بہترین یادگار کی پہلی قسط نذرِ ناظرین فرمائی۔ دعا ہی کہ یہ سلسلہ اُس وقت تک برابر جاری رہے جب تک کہ مرحوم کی کل تصنیف شائع نہ ہو جائے۔

مرحوم شہباز چوں کہ وہبی شاعر تھے اس لیے اُن کا کل کلام شائع کرنا اُردوے معلّیٰ کی ایک قیمتی اور دائمی امداد ہی۔ اُن کے ہر شعر میں ایک لذّت اور اُن کی ہر بیت میں ایک خاص قسم کی لطافت ہی۔ فطرت نے اُن کی گھُٹّی میں اس ذوق کو کامل طور پر گھول دیا تھا۔

مرحوم شہباز راقم کے اُن علمی اور مخلص دوستوں میں تھے

جن کی وقعت اور محبت دلوں میں گھر کر لیا کرتی ہی - یہ ایک عرصے سے تمنّا تھی کہ مرحوم کی کسی علمی یادگار کی خدمت کا کوئی موقع ملتا - الحمدللہ نواب سید محمد صاحب کی بدولت میری یہ آرزو پوری ہوی - نواب صاحب ممدوح اُن واجب التعظیم بزرگوں میں ہیں جن کی نسبت ارشاد ہوا ہی "مودّت اہل صفا چہ در رو و چہ در قفا" غرض یہ مختصر تمہید نواب صاحب موصوف کے حکم کی تعمیل اور راقم کی ایک دیرینہ تمنا کا نتیجہ ہی اور بس -

راقم

سیّد افتخار عالم

یکم - جنوری سنہ ۱۹۱۶ء مارہرہ ضلع ایٹہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد

کیوں نہ ہو میرے پالنے والے — اے غذا منہ میں ڈالنے والے
اپنی قدرت کے پاک ظرفوں میں — دودھ خالص ابالنے والے
کیسی الفت کہ دودھ کی دھوئی — دل میں ماؤں کے ڈالنے والے
خوش نما تربیت کا فوّارہ — باغِ جاں میں اچھالنے والے
نازپروردہ گرنے والوں کو — گرتے گرتے سنبھالنے والے
سر سے معصوم سونے والوں کے — آفتیں ساری ٹالنے والے
نیند کے ہلکے ہلکے رگڑوں سے — جوہرِ جاں اجالنے والے
چھینٹے دے دے کے زیوروں سے لدی — اک دلھن پھر نکالنے والے
آنچ اعضا کو کوششوں کی دکھا — تن کو سانچے میں ڈھالنے والے
منہ کی کھڑکی پہ دُرجِ مرجاں سے — سلکِ گوہر نکالنے والے
موتیوں سے بنا کے اک چکی — دانوں کو پیس ڈالنے والے
جسم میں ایک دل کے چشمے سے — کتنی نہریں نکالنے والے
شش جہت شش کے کارخانے میں — لعل و یاقوت اجالنے والے

ﻪ حمد و توحید اگرچہ کلیاتِ شہباز میں نہ تھی لیکن ایک دو مرتبہ [illegible] دونوں نظمیں رکھ دی گئیں ۱۲

انس کیا۔ گردنیں اطاعت کی
جن ملک سب ہیں ڈالنے والے
چاند سورج نہ یوں چمک سکتے
ہوتے گر حکم ٹالنے والے
اپنے شہباز کے تھیں ہوشاہ
دیکھنے والے بھالنے والے

توحید

تو ہی اے رب ہارے سب کا ہے
تو ہی رب جب اب تب کا ہے
تو ہی ہی سارے جگ کا مالک
تو ہی ہر رگ رگ کا مالک
تو ہی اب ہے تو ہی جب تھا
والی وارث ہر ایک کس کا
تجھ ہی کو شاہی دونو جگ کی
تو نے ہی دی دولت جس کو دی
گھر تو ہی باہر بھی تو ہے
سچ تو یہ ہے تو ہی تو ہے
جس کو چاہے دے تو دولت
جس کو چاہے دے تو غربت
جل تھل کی آبادی تجھ سے
غم تجھ سے ہے شادی تجھ سے
تجھ ہی سے ہے رونق عالم کی
رونق ہے سب تیرے دم کی
جس نے حق کا کچھ گن گایا
سر پہ اُس کے حق کا سایا

قصیدۂ لغت

جب کہ پیدا ہوے عرب میں رسول
کھل پڑے باغ میں عرب کے پھول
آبیاری شرع سے سرسبز
ہوئے دانش کے کل فروع و اصول
بھر گئی اس قدر اثر سے دعا
منہ سے نکلی ادھر۔ اُدھر تھی قبول

رہ زنی چھوڑ کر بنے رہبر
راہ پر آگئے ہزاروں غول

دادگستر ہوئے جفا پرور
علم پرور ہوئے ظلوم و جہول

دین کی روشنی سے مثلِ نجوم
جگمگانے لگے عرب کے غُفول

روز ہنگامۂ بہار ہے گرم
اُٹھ گیا صاف اختلاف فضول

نیک کاروں نے سلطنت پائی
ہر طرف ہے سعادتوں کا حصول

کہیں جاری خراج کی تحصیل
کسی جا جزیہ ہو رہا ہے وصول

جس کسی ملک میں تمدن ہے
مملکت میں عرب کی اُس کا شمول

خیلِ کسریٰ کی انقیاد[۵۱] مراد
قومِ قیصر کو امتثال[۵۲] قبول

نقد و زر کی ہے اس قدر افراط
خرِ مسکیں پہ بھی ہے زریں جھول

اُنھیں حاصل ہے اقتصاد[۵۳] کا فضل
کرتے تھے رات دن جو خرچ فضول

بھر رہا ہے اُسی کی ہیبت سے دہر
تھا کسی وقت میں جو کنجِ خمول[۵۴]

پاس ہے صبر کی سپر مضبوط
اب تو ٹلنے کا رہے بلا کا نزول

دو مسلماں میں گر کہیں بگڑی
صلح نے آن کر بٹھا دی چول

آئی اب لڑکیوں کی جان میں جان
گئیں پچھلی مصیبتیں سب بھول

کون کہتا ہے پھول ہیں یہ زرد
اشرفی سے لدے ہوئے ہیں ببول

جتنے اشرار تھے ہوئے ابرار
جتنے مردود تھے ہوئے مقبول

ہر سمندر کے درمیان بلند
ہے عرب کے جہاز کا مستول

کھول دی چشمِ عقل و دانش نے
آگئے ہم کو سب نظر جھول

نہیں باقی رہا کوئی سنے شغل
اچھے کاموں میں ہیں سبھی مشغول

---

۵۱ اطاعت۔ ۵۲ فرماں برداری ۵۳ میانہ روی ۱۲ ۵۴ گم نامی ۱۲

دے رہا ہی مکانِ مسجد میں
اک ریاضت کے سلسلے کو طول

کر رہا ہی بڑے سلیقے سے
کوئی منبر پہ نصبِ دیں کے اصول

کوئی میدانِ حرب و ضرب میں
سیف ہی پھر وہ سیف بھی مسلول

کر رہا ہی کوئی تجارت میں
نقدِ ہمت دکاں دکاں مبذول

مدرسوں کا بھی گرم ہی بازار
کہیں معقول ہی کہیں منقول

کام کوئی نہ کوئی لے بیٹھا
جیسی فطرت پہ جو ہوا مجبول

کہیں تحصیلِ علم ہی منظور
کہیں ایصالِ نفع ہی معمول

کسی چٹکی کو یہ ملی اکسیر
کیمیا ہی ہر ایک چٹکی دھول

عمل و علم کی بجالی سے
کاہلی آپ ہو گئی معزول

شعرا نے کبھی رمزِ حکمت سے
کیا اپنے کلام کو مقبول

قول کو فعل سے کیا مربوط
صدقِ گفتار کر لیا معمول

ان کے اشعار پڑھ کے جیت گئے
صدق سے جن کو ہو گیا تھا ذہول

علما ان کو بھی ہوئی رونق
چھڑ گیا قصۂ نطول و حمول

لگے اپنی زباں میں بتلانے
اپنی تاثیر آپ پھل اور پھول

نبض کے منضبط لگے ہونے
انشفاع ۔ انخفاض عرض اور طول

تن درستی کا انتظام ہوا
ہر جگہ حسبِ اختلافِ فصول

اقربا کے شمار میں آئے
ہو رہے تھے مریض جو مجہول

بجھ گئی صاف شمعِ شناسی
جب چلی پیشِ عقل بادِ افول

۵۱ کھنچی ہوئی تلوار ۱۲ ۵۲ مجبور ۔ ۵۳ فراموش کرنا۔
۵۴ ایک قسم علاج خارجی ۱۲ ۵۵ بلند شدن حرکتِ رگ ۱۲ ۵۶ بست شدن حرکتِ نبض ۱۲ ۵۷ آفتاب
۱۲ ۵۸ ہوا سے غروب ۱۲

افلاتبصروں کے چھینٹوں نے — کھول دی غافلوں کی چشمِ عقول
جس بشر کی یہ ساری ہیں برکات — اُس پہ رکھّو درود کا معمول
صلّوا سلّموا علیٰ احمد — ثمّ صلّوا علیٰ مزارِ رسول

زر

زر۔ یہ صدا بھی رکھتی ہے کیا سحر کا اثر — قائم جہان کا ہے تجھی سے طلسمِ زر
دھومیں مچی ہوی ہیں تری ہی یہ دیس دیس — ڈنکا بجا ہوا ہے ترا ہی نگر نگر
بازار میں گئے تو وہاں بھی ہے تیری یاد — تیرا ہی ذکرِ خیر ہے واں سے جو آئے گھر
ہے کُل معاملات میں تو ہی چھُپا ہوا — سارے معاملات میں تو ہی ہے مستتر
پردیس اپنا دیس ہے اپنا نہیں جو تو — حاضر اگر ہے تو۔ تو سفر ہے بنا حضر
افلاس تیرے دل سے اُترتا ہے الاماں! — ادبار تیری نظروں سے گرتا ہے الحذر!
صدمے میں تیرے۔ دل سے مخاطب ہو سیمتن — ایما سے تیرے جان سے عاشق ہو سیم بر
ہر لحظہ تو چکھاتا ہے ہر قسم کے مزے — ہر وقت تو کھلاتا ہے ہر مُلک کے ثمر
چکھتے ہیں سیب تجھ ہی سے سوڈاں[1] کی دھوپ میں — کھاتے ہیں آم تجھ ہی سے لندن[2] میں بیٹھ کر
تیرے لذیذ لقموں سے بھرتا نہیں ہے جی — کھاتے ہی کھاتے پیٹ بھی جائے نہ کیوں اپھر
تیری صراحیوں سے پیا جس نے آبِ سرد — تشنہ تھا وہ اگر تو ہوا پی کے تشنہ تر
خوبی کو تیری چاہیے کیا قیدِ امکنہ — کانوں میں تو ہے خوب مکانوں میں خوب تر
پھیلی تجھی سے ہے یہ ضیا قصرِ خلد کی — چھایا تجھی سے ہے یہ سماں تاج گنج پر

ف ۱ و ۲ سوڈان میں سیب اور لندن میں آم نہیں ہوتے ۱۲

تیرے صدقے سے نکلی ہیں وہ موتی مسجدیں ۔۔۔ چُھنتے ہیں سیپیوں میں گہر جن کو دیکھ کر
بڑھتے ہیں تیرے راگ پہ مردانِ کینہ خواہ ۔۔۔ چڑھتی ہیں تیری تاک میں فوجیں غنیم پر
آئی ہیں تیرے شوق میں فوجیں سمٹ سمٹ ۔۔۔ ہوتے ہیں تیرے رعب سے لشکر تِتر بِتر
شمشیرِ برق سے بھی نہیں اُس کو کچھ ہراس ۔۔۔ جس کی بلا کے ٹالنے کو تو بنے سپر
خوش خُلق تیرے قہر سے مشہور کج نہاد ۔۔۔ کج خُلق تیری مہر سے مشہور خوش سیر
تیرے بہائے بہتی ہیں جھیلیں یہاں وہاں ۔۔۔ تیرے چلائے چلتی ہیں ناویں جدھر تدھر
چھپائیں ہیں تجھ سے برق فلک صحنِ دشت میں ۔۔۔ ناویں ہیں تجھ سے شعلہ فشاں سطحِ آب پر
اسٹیمروں میں تو نے ہی پھونکی ہوئی تری ۔۔۔ ریلوں میں تری ڈالی ہوئی جاں ہی جلوہ گر
تیرے منگائے آتی ہی ہر گھر میں ہر گھڑی ۔۔۔ لاکھوں کروڑوں کوس کی اک آن میں خبر
لاکھوں ورق کا گرچہ ہی دفتر ہوا کرے ۔۔۔ ہوتا ہی تیرے حکم سے دم بھر میں مشتہر
کاتب تو اس کو برسوں ہی بیٹھے لکھا کریں ۔۔۔ فارغ تو ایک آن میں ہو چھاپ چھوپ کر
دہقان کی جبیں پہ نہیں قطرۂ عرق ۔۔۔ تیرے نثار کو یہ سمٹ آئے ہیں گُہر
مصری کے پیڑے میں بھری ہی تری مٹھاس ۔۔۔ گنّے کی ہر گرہ میں بندھی ہی تری شکر
باغوں میں تو نے پھول کھلائے ہیں جابجا ۔۔۔ پیڑوں میں پھل یہ تو نے لگائے ہیں سربسر
خوش بو تری ہی طبلۂ عطار میں بھری ۔۔۔ نکہت تری ہی جس سے ہیں سب کے دماغ تر
تو مشک - تو سہاگ - تو چمپا - تو موتیا ۔۔۔ تو سیوتی تو کیوڑا تو عود تو اگر
تیرے ہی پیچھے چور کٹاتے ہیں اپنے ہاتھ ۔۔۔ تیرے ہی مارے ڈاکو بھی کھوتے ہیں اپنا سر
ٹھگتے ہیں ٹھگ تری ہی تمنا میں خلق کو ۔۔۔ رہزن تری امید پہ روکے ہیں رہ گزر
اُس دل رُبا کے تل میں بھی ہے تیرے غم سے چھید ۔۔۔ غمزوں سے چھیدتی ہی جو سب کے دل و جگر
ہر ایک کل میں تیرے ہی پُرزے ہیں کام کے ۔۔۔ کاری گری تجھی سے ہی اس درجہ کارگر
تیں واری کہہ کے جاتی ہیں گائی جو ٹھمریاں ۔۔۔ تھاپیں جو زور زور سے پڑتی ہیں طبلے پر

لالن یہ لے رہی ہی بلائیں تری کھڑی — ہیں بھرے خان فراق میں تیرے وہ نوحہ گر

دُھن تاک دھن "نہیں ہی تری تاک تری دُھن — سرگم پہ دھیان غم میں تیرے ایک وقف سر

دلواؤ "مالکوس" کہے "مال" حسب خواہ — رُوپک کہے "رو پڑی انھیں دلواؤ پیٹ بھر

ڈُر ڈُر ڈرا رڈے "نہیں بجاتے ستار میں — مُطرب کی ہی زبان سے زر زر زنہ آر زر

پیتے ہیں جتنے دھوبی ہیں دھو دھو کے تیرے پاؤں — حجام مدتوں سے مُنڈاتے ہیں تجھ پہ سر

بُڑھیا جو بیٹھی کاتتی چرخا ہی رات دن — چڑھنے کی آڑ میں ہی نظر اُس کی مال پر

بھانڈ اپنے باپ ماں کو جو دیتے ہیں گالیاں — تیرے ہی ہیں گھرانے کے یہ ناخلف پسر

مسجد میں تو امام ہی منبر پہ تو خطیب — ہی صدر انجمن میں - تو جلسوں میں لیکچرر

ہی جزر و مد میں دین کے تیرا ہی جزر و مد — دنیا کے رفع و جر میں ہی تیرا ہی رفع و جر

جاہل ہی تیرے درس سے بو نصر سے سوا — عالم ترے بغیر ہی بو جہل سے بتر

قطعے جو خوش نویس یہ لکھتے ہیں گانٹھ گانٹھ — کرتے ہیں بیٹھے نام ترا مشق عمر بھر

حلقہ بگوش تیرے دوائر ہیں حرف کے — سکّہ جما ہوا ہی ترا لفظ لفظ پر

مُلّا جو صرف و نحو میں کرتا ہی عمر صرف — ہی سارے صرف عمر سے مقصود نحو زر

سمجھایا منطقی نے ہی یہ مجھکو کُلّیہ — خالی طمع سے زر کے نہیں ایک بھی بشر

سلب طمع سے گرچہ ہو دل مثل آئینہ — اس میں بھی عکس زر کا ضرور آئے گا نظر

تیری گلی کا ایک مہوس ہی چرخ پیر — کھوٹی سی اشرفی جو دکھاتا ہی ہر سحر

فارغ نہیں کبھی تری خواہش سے صد بدر — خالی نہیں ہی داغ سے تیرے دل قمر

خُمس و زکواۃ و جزیۂ و صدقہ تو لفظ ہیں — معنیٰ ہر ایک لفظ میں آیا تو ہی نظر

واعظ انھیں زباں زدہ لفظوں کی آڑ میں — تیرا شکار کرتا ہی منبر پہ بیٹھ کر

کس کا خدا کہاں کا رسول - اُس کی آنکھ میں — تو ہی خدا ہی - بلکہ خدا سے بزرگ تر

ایمان کی جو پوچھو تو شہباز کے بقول — مرتے ہیں تجھ پہ ہم بھی ولیکن نہ اس قدر

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر	ہر چند تو خدا تو نہیں پر خدا گواہ

مسواک

پھول پتّا کچھ نہیں ۔ کیونکر کہوں میں خاک ہوں
تو پوچھتے ہو اصل ۔ تو کچھ آب ہوں کچھ خاک ہوں

آستیں گر ہوں ۔ تو ہوں جھاڑی ہوئی میں آستیں
گر گریباں ہوں ۔ تو مقراضِ ستم سے چاک ہوں

پاک باطن شیخ کا ہوتا ہے منہ مجھ سے ہی پاک
اب تمہیں بتلاؤ میں ناپاک ہوں یا پاک ہوں

زُہد کی دستار کے پانی ہی مجھ سے آب رو
فی الحقیقت چہرۂ تقوی کے اوپر ناک ہوں

پادشاہوں کو جواب اکثر دیے دنداں شکن
گفتگوئے امرِ حق میں اسقدر بے باک ہوں

ہے بجا پڑھتے ہیں گر کلمہ مرا خدّامِ دیں
خدمتوں سے اپنی ممدوحِ شہِ لولاک ہوں

منہ میں [illegible] ہوں انکی خاطر فاد زہر
دانت ہیں جتنے سم ۔ انکے لیے تریاک ہوں

[illegible] ہیں ہمدردی کے زخم
گر کسی صاحب نظر کی آنکھ میں ہیں تاک ہوں

[illegible] رکھتی ہے ہر لحظہ اداس
راگنی پیلو کی ہوں میں ۔ اسلیے غمناک ہوں

[illegible] پیستے ہیں مجھ پہ دانت
میں تو کونے میں پڑی مثلِ خس و خاشاک ہوں

[illegible] ہیں جواہر منتظم
اس جواہرخانے میں میں اشرف الاسلاک ہوں

[illegible] سدہ پر نامِ صفا
جوہرِ پاکیزگی سے پرہنر حکّاک ہوں

[illegible] چلتی ہوں بھیجا انکا میں
میں ورے پر ضحک کے اک اثر در ضحاک ہوں

[illegible] ہر چند ہے بالشت بھر
سربلندی سے پہنچتی تا سرِ افلاک ہوں

گرچہ ہوں صورت میں قفلِ دہن کی اک کلید
پھر بھی دانتوں کی حفاظت کو میں حب کا لاک ہوں

[illegible] اب ہر کوئی ۔ ہر ہاٹ میں میرا چلن
جوگ کی پرتیت ہوں سنیاس کی میں ساک ہوں

پھولتے پھلتے ہیں مجھ سے منفعت کے شاخ و برگ
بنکے میں تقوی کے میں اک تازہ تر اشاک ہوں

میں نہ مس بابا - نہ ہوں شہباز - جاتی واک کو
پھر یہ کس ترکیب سے افواہ میں مسواک ہوں

سڑک

زمیں ہوں خاکساری سے - مراتب میں فلک میں ہوں
چلی جاتی ہوں بے کھٹکے ہو جنگل یا کہ ویرانہ
پہاڑوں کے جگر میں راہ کی ہے میں نے حکمت سے
پہاڑوں پہ چڑھی ہوں - دل میں دریا کے در آئی ہوں
مرے دونوں طرف کھمبے گڑے ہیں تار برقی کے
ہزاروں من کی گاڑی جبکہ مجھ پر سے گزرتی ہے
ہزاروں گھوڑے ہاتھی رات دن مجھکو کھوندلتے ہیں
دلوں سے کر دیے ہیں دور میں نے سربسر کھٹکے
بنو ہی مجھ سے خوش ہیں چور اچکے مجھ سے جلتے ہیں
کسی کے رنج اٹھائے کٹک کیونکر اٹک جائے
لگا رکھا ہے میری خاک نے آنکھوں میں وہ سرمہ
شب تاریک میں گر منزل مقصود ہاتھی ہے
شب تاریک جب منزل کو زلفوں میں چھپاتی ہے
سفر کی رات کی زلف دوتا کی مانگ سیدھی ہوں
دخان مشک بو حاصل غبار رہ سے ہے مجھ کو
جہاں منزل شناسی کی ستاری چھیڑی جاتی ہو

تواضع کی جھمک سے چاند سورج کی جھلک میں ہوں
بڑے مضبوط دل کی ہوں - نڈر ہوں بے دھڑک میں ہوں
حلیموں کے لئے درس حسن دبے بے فشک میں ہوں
نہنگ و خرس و نوں کے خواص مشترک میں ہوں
خبر کے پانوں میں ہر لحظہ بجلی کی لپک میں ہوں
دھڑک بجلی کی ہوں اس وقت بادل کی کڑک میں ہوں
پڑی آرام سے اسپہ بھی لیکن آجتک میں ہوں
مگر اک چور کے دل میں کہ کانٹے کی کھٹک میں ہوں
جو انکی آنکھ میں بیٹھا ہوں - انکی نرگس میں ہوں
کہ پھیلی من کی صورت اٹک سے تا کٹک میں ہوں
کہ اندھے بھی نہ بھٹکیں راستے سے جب تلک میں ہوں
مسافر ہے مہاوت - ہاتھ میں اسکے بجک میں ہوں
فلک پہ راستے کے کہکشاں کی سی چمک میں ہوں
کہ میں منزل مقصود کی پیاری لچک میں ہوں
اگر فرش زمیں پہ دست صنعت میں سڑک میں ہوں
سہانی منڈھی ہوں - ہر تار میں پیاری گمک میں ہوں

کرے گا کوئی مجھ سے دامن افشانی کا کیا دعویٰ
نہیں آتی ہے خواہش دل میں اصلا کوئی نفسانی

کنارے جو ہے ہوا اس سے دامن جھٹک میں ہوں
خدا جانے ولی ہوں یا نبی ہوں یا ملک میں ہوں

کہاں جاتا ہے شہباز اُس طرف ہے گمرہی پھیلی
ادھر آ رہنمائی کو تری سیدھی سڑک میں ہوں

حضرت شہباز کے اچھوتے خیالات

چلتی ہوئی بائیسکل

کسی صبح کو عشرت آباد میں
جلو میں جو سلور۔ خواصی میں نکل
سرکتی ہوئی۔ سرسراتی ہوئی
کہیں کودتی اور لپکتی ہوئی
کہیں سیدھ میں چل کے مڑتی ہوئی
نزاکت سے بڑھتی اُترتی ہوئی
ہجوموں میں پلتی۔ سماتی ہوئی
کہیں ملتے ملتے جھجھکتی ہوئی
کہیں خاصی گھڑ دوڑ کرتی ہوئی
کہیں پل کے منہ پہ چڑھتی ہوئی
کہیں سستیوں کو بڑھاتی ہوئی
طبیعت کو تائید دیتی ہوئی

سراپا بسی عطر ایجاد میں
خوش اسلوبیوں سے چلی بائی سکل
لچکتی ہوئی تھرتھراتی ہوئی
کہیں ناچتی اور تھرکتی ہوئی
کہیں اوج پہ چڑھ کے اُڑتی ہوئی
اُترنے میں سو گل کترتی ہوئی
ہر آفت سے بچتی بچاتی ہوئی
کہیں چلتے چلتے اُچکتی ہوئی
کہیں جیت سے جیب بھرتی ہوئی
کہیں میل سے آگے بڑھتی ہوئی
کہیں سستیوں کو اڑاتی ہوئی
ہر اک عضو سے کام لیتی ہوئی

لہو کو رگوں میں پھراتی ہوئی
پسینوں کے موتی لُٹاتی ہوئی

ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی چلاتی ہوئی
طبیعت کے غنچے کِھلاتی ہوئی

جھلکتی ہوئی جھلملاتی ہوئی
چمکتی ہوئی جگمگاتی ہوئی

پرستاں کے جلوے دکھاتی ہوئی
حسینوں کو پریاں بناتی ہوئی

ترارے کسی بَن میں بھرتی ہوئی
اُچھلتی ہوئی جست کرتی ہوئی

کہیں چشم کی طرح پھرتی ہوئی
کہیں برق کی طرح گرتی ہوئی

کہیں جا کے رُکتی اٹکتی ہوئی
کسی جا چٹکتی مٹکتی ہوئی

زمیں سے چمٹتی لپٹتی ہوئی
ہوا میں اُلٹتی پُلٹتی ہوئی

کہیں گرتے گرتے سنبھلتی ہوئی
کہیں رُکتے رُکتے نکلتی ہوئی

چھپٹتی - ڈپٹتی - رپٹتی ہوئی
گھسٹتی - پھسلتی - اُچٹتی ہوئی

سُلجھ کر کہیں پھر اُلجھتی ہوئی
اُلجھ کر کہیں پھر سُلجھتی ہوئی

خوش آیند منہ سے جھڑکتی ہوئی
پمیٹم لونڈر چھڑکتی ہوئی

بہت ہو چکی برق سے نوک جھوک
بس اب بالکل اپنی شہباز روک

حضرت شہباز کے اچھوتے خیالات

پانی

زباں والو سنو میری زبانی
یہ اپنی آپ بیتی ہے کہانی

ادھر آدمی اُدھر آدمی وہ [illegible]
اندھیری رات کی عنبر فشانی

ستارے تھے فلک پر جگمگاتے
فلک پہنے تھا جوڑا آسمانی

تھا عالم ہو کا۔ سناٹا۔ تھا چھایا
چلی آتی تھیں آوازیں ڈرانی

پڑا تھا پاؤں پھیلائے ہوئے میں
دکھاتا تھا طبیعت کی روانی

نہ پربت کا بلندی پر تھا یوں راج
نہ چوٹی کی بنی تھی راجدھانی

نہ پیڑوں کی بسی تھی اس پہ پرجا
نہ جاگی تھی ابھی فطرت کی رانی

لق ودق تھا یہاں سے واں تک اک دشت
میں ہی میں تھا نہ تھا کوئی ثانی

بنا تھا دشت مجھ سے تختۂ سیم
مرے حصے میں تھی گوہر فشانی

مرے قبضے میں تھے ساتوں ہی کشور
یہ مجھکو یاد تھی کشور ستانی

چلی اتنے میں باد صبح گاہی
جنگل جس سے ہوا بوستانی

ہوا سے کر رہا تھا جبکہ باتیں
ہوئی کرنوں کی مجھ پہ مہربانی

بندھے پلے سے میرے درخوش آب
ٹنکی دامن سے میرے زرفشانی

الوپ انجن لگا کر اڑ گیا میں
گھٹوں مجھ سے پڑا لٹکوں پہ پانی

ہوا چاروں طرف کی کھا کے میں نے
تنے خیمے یہ اپنے دل میں ٹھانی

سلیماں کی طرح تھا تخت میرا
ہوا کے ہاتھ میں جسکی روانی

بدلتا دوش پر تھا طیلساں رنگ
گلابی۔ چمپئی۔ بادامی۔ دھانی

ابھی پہنے ہوئے تھا سرخ پوشاک
ابھی پھر ہو گئی وہ آسمانی

ہوا جب نصب بادل کا خیمہ
لگی دینے یہ سقف آسمانی

بچھایا بجلیوں نے تخت طاؤس
دکھائی شان میں نے شہ جہانی

بندھا تھا موتیوں کا سر سے سہرہ
عدن پر سہرا لڑی کی حکمرانی

زمیں سے آسماں تک تھی گہر پاشش
مرے رخ پر یہ زینت کی نشانی

زمیں پہ بہ چلے موتی کے دریا
گیا پھر آب پر موتی کی پانی

نہا دھو کر اسی دریا میں جھٹ پٹ — زمیں نے بریں کی پوشاک دھانی
کھلیں باچھیں چنبیلی موتیا کی — ہوئے کُبترے گلوں کے ارغوانی
بچھایا دشت میں سبزے نے مخمل — پہن کر آئی جوہی جامہ دانی
چڑھیں انگور کی ٹٹی پہ بیلیں — بھرا سر میں خمارِ نوجوانی
بڑھے بنت العنب کی تاک میں شیخ — سب اپنی طاق پر رکھ سُبحہ خوانی
طرب کے جام کے چلنے لگے دور — لگی ڈھلنے شرابِ ارغوانی
تھیں جتنی کھیتیاں سب لہلہائیں — پڑا جس طرح سوکھے دھانوں پانی
مجھی سے بالیاں گیہوں کی پُرزور — مجھی سے دھان کی پوشاک دھانی
مجھی سے لب پہ بھٹوں کے تبسّم — مجھی سے خربزوں کی تر زبانی
مجھی سے ہر پھلی تھی سُبحہ در دست — مجھی سے تھی مٹر کی سُبحہ خوانی
مجھی سے تھی اناروں کو میسّر — وہ شیریں کاری و خندہ دہانی
مجھی سے تھی زبانِ نیشکر کو — گرہ کے ساتھ بھی شکر فشانی
اُڑائے میں نے جب سونے کے جگنو — تو لپٹی ہر شجر سے کامدانی
ہوا ہر پیڑ رشکِ طورِ سینا — تجلّی دم میں۔ دم میں لن ترانی
درختوں پر تو تھا برجوں کا عالم — بنوں میں تھا طلسمِ آسمانی
مجھی سے اب ہمالہ ہی شہنشاہ — مجھی سے سر پہ وہ تاجِ کیانی
لگی ہی برف کی جسمیں کہ چاندی — جڑے ہیں نور کے لعلِ یمانی
ضیا پاشی پہ چمکی رعد کو ہو — سدا قوسِ قزح کی خوش کمانی
مجھی سے ہیں یہ گنگا جمنی لہریں — مجھی سے ہی یہ چشموں میں روانی
ہیں چھلکائی ہوئی میری ہی جھیلیں — بہت مشکل ہی جن کی تھاہ پانی
سمندر سات ہیں سانوں کو لیکن — مری تسلیم ہی صاحب قرانی

بھنور کا ڈالکر کانوں میں حلقہ — اطاعت سب نے میری فرض جانی
عدن میں میں نے بنکر ابرِ نیساں — پلایا تشنہ لب سیپی کو پانی
اسی پانی سے سیپی نے بنایا — وہ موتی جسکا ناممکن ہے ثانی
صدف کی حسن بانو کی بدولت — ہوئی تصدیق حاتم کی کہانی
مری پانی ہوئی ہے ویل مچھلی — حکایت جسکی ہے سب کو زبانی
تبہ اک آن میں ہوجائیں جس سے — جہاز بادبانی و دخانی
اسی کی روشنی ہے انجمن میں — اسی سے شمع کی آتش زبانی
وہ میری گائے ہے جسکی بدولت — ہوئی ہر بزم میں عنبر فشانی
گئے آہوئے ختن کے چوکڑی بھول — خطا۔ تاتار سب نے چھان مانی
ہرن کی ہر رگ و پے میں بھی میں ہوں — نہ ہوں میں تو ہے مشکل زندگانی
ہیں جتنے مبتلائے تشنہ کامی — مرے چشمے سے سب پیتے ہیں پانی
حسینوں کی جبین پُر عرق پہ — مرے ہی اوج سے ہے دُر فشانی
جوانوں کی رگوں میں خون بن کر — بڑھاتا ہوں میں ہی زورِ جوانی
ہے ریشوں میں رگوں کی مجھ سے ہستی — رگوں میں ہے مری ریشہ دوانی
کبھی ہوں ڈبڈبائی آنکھ سے میں — غریبوں میں یتیمی کی نشانی
کبھی ہوں سُرخ روئی کی لہات سے — امیروں میں دلیلِ کامرانی
میں ہی فی الاصل وہ آبِ دہن ہوں — ہے جس سے وصل کی شیریں دہانی
جو دیکھے آدمی اپنی حقیقت — نہیں وہ بھی مگر اک بوند پانی
من الماءِ خلقت کلّ شئ — حقیقت میں ہے وحیِ آسمانی
نصیحت اس سے یہ میں نے نکالی — کہ سب کی آب پر ہے زندگانی
مجھی سے دوستوں میں رسم الفت — مجھی سے دشمنوں میں چھیڑ خانی

مجھی سے طوطیوں میں خوش نوائی
مجھی سے بلبلوں میں نغمہ خوانی

مجھی سے گلبنوں میں شہد ریزی
مجھی سے نخل میں شکّر فشانی

ادیبوں میں مجھی سے رسمِ آداب
خطیبوں میں مجھی سے خوش بیانی

مجھی سے میوۂ شاخِ فصاحت
مجھی سے شیوۂ شیوا زبانی

پرندے اور چرندے اور درندے
سبھی ہیں میرے زیرِ حکمرانی

میں ہی موسیٰ کے چشموں میں عصا سے
بنا تھا لطف و رحمت کی نشانی

میں ہی ساقیِ کوثر کے کرم سے
بھرونگا حوض میں کوثر کے پانی

کلیم اللہ کو میری بہ دولت
ملی وادیِ ایمن کی شبانی

ولی ہو - قطب ہو - یا ہو پیمبر
ہو جاں بخشی میں یا عیسائے ثانی

زمانِ بوالبشر سے لے کے تا حال
سبھی نے کی ہے میری قدردانی

رگوں میں ہیں پیمبر کی بھی دوڑا
میری ہے - ہر جگہ ریشہ دوانی

عرب ہر چند ما کہکر پکارے
ہے ما سے بڑھکے میری مہربانی

نہیں جل عز و جل کی ہے وہ تخفیف
جلالت ہے مری ہندو نے مانی

ولایت میں ہوں موتی کی سی میں آب
زعہد پیش وادی و کیانی

سمجھتا آب رو تھا مجھکو زردشت
وہ گو آتش پرستی کا تھا بانی

ہیں جتنے دیوتا سب میرے پیاسے
بتوں کے ہونٹ پر میری کہانی

اُلٹ کرشنا ستر کو بھی جو دیکھو
تو پہلے ہے کتھا میری بکھانی

کنول جس سے کہ نکلے تھے مہادیو
مجھی سے وضع میں تھا پرنیانی

کبھی غاروں میں اک جا جم کے بیٹھا
کبھی ملکوں کی میں نے خاک چھانی

چلا جاتا ہوں کوسوں پا کے موقع
دکھاتا زندگانی کی روانی

اُچھلتا کودتا - گاتا بجاتا
مچاتا شور - کرتا نوحہ خوانی

جلو میں ہیں جہازوں کے رواں شہر
دخانی کوئی - کوئی بادبانی

کسی کو امن کے ساحل پہ پھینکوں
کسی پہ پھیر دوں طوفاں سے پانی

تجارت میں پڑی ہے جان مجھ سے
ہوئی ہر ملک میں سستی گرانی

میرے تیرتھ کو بھاگیں جوگی بھوگی
میرے درشن کو دوڑیں گیانی دھیانی

دکھائے سرد مہری گرم جوشی
لگی دل کی بجھائے سرد پانی

بجھا دوں آتشِ سیّال کی آگ
بنے شربت شرابِ ارغوانی

جما دوں جیٹھ میں کھیرے کی قفلی
بھروں مصری میں اولوں کے معانی

مری سبزی میں رونق بخشی خضر
میری ظلمت میں آبِ زندگانی

عجب کیا خضر کے منہ سے ہوا رشاد
کہ ہے یہ نظم "آبِ زندگانی"

حضرت شہباز کے اچھوتے خیالات

جیبی گھڑی

آج آ کے میری جیب میں وہ چیز ہے پڑی
جس پر نثار ہونے کو سونے کی ہے لڑی

چہرے پہ اس کے صاف ہے بلّور کی چمک
منہ چوم کر شعاع خوشی سے اچھل پڑی

جس دم شعاعِ مہر سے ہوتی ہے یہ دوچار
چھٹ جاتی ہے ضیا سے خوش آیند پھلجھڑی

پاکیزہ خط و خال ہیں اور جبہ دل فریب
زاہد کے دل میں جس سے کہ پیدا ہو ہڑبڑی

آنکھیں وہ نرگسیں ہیں کہ نرگس بھی تاب رہے
چھوٹی ہیں دیکھنے میں مگر کام میں بڑی

پھرتی ہیں فرطِ ہوش سے دو اَست پتلیاں
پلکوں نے جن کے ہاتھ میں دے رکھی ہے چھڑی

منہ میں قلم کی طرح ہے اس کے بھی، دو زباں — دونوں قلم ہوں گر کبھی رک جائیں اک گھڑی

الٹی یہ بات ہے کہ یہ رکھتی ہے ایک کان — حلقے کے ساتھ کان میں زنجیر ہے پڑی

ہر وقت یعنی اس کو اطاعت کا ہے خیال — خدمت کو آٹھوں پہر ہے اک پاؤں پر کھڑی

اغوا سے گر کسی کے یہ پھر سے بھاگ جاے — منگوا او اس کو ہاتھ میں ڈلوا کے ہتکڑی

پردہ نشیں ہے اس لیے پردے کا ہے خیال — زرّیں نقاب جال کے اوپر سے ہے پڑی

جتنے ہیں گن ہیں پیٹ میں اسکے بھرے ہوے — احشا[1] نہیں، گنوں نے پروئی ہے اک لڑی

کھائی ہیں چرخ غور نے لاکھوں ہی گردشیں — جب جا کے اس کے جسم میں یہ جان ہے پڑی

تریاق اس کے منہ میں ہے صانع نے بھر دیا — مارے ہوے جو کنڈلی ہے اک ناگنی پڑی

آب حیات اس سے ابلتا ہے رات دن — گویا ہے اس کے ہاتھ میں لقمان کی چھڑی

ڈالی ہے جس نے چول سے ہیرے کی اس میں جان — پہنوا دو اس کو کان سے ہیرے کی اک پھڑی[2]

نو سے کسی طرح نہیں کم اس میں چرخ بند — حکمت کی چرخ چرخ میں اک کیل ہے جڑی

نو سات جتنے چرخ ہیں گردش میں ہے ہر ایک — گویا ہر ایک چرخ پہ ایک بھیڑ ہے پڑی

افضل ہے مہر و ماہ سے انجم سے ہے سوا — ہر وقت رونما ہے یہ، بدلی ہو یا جھڑی

لوہے سے کس طرح ہے بنائی یہ کیمیا — صانع نے اس میں ڈالی ہے کیا جاگنے کی جڑی[3]

سونے کا گھر نہیں، ہے یہ مجلس ہے زرنگار — ہے قید وقت، پاؤں میں زنجیر ہے پڑی

گر وقت بھاگنے کا کرے قصد قید سے — داروغہ ضبط وقت کا دے ڈال ہتکڑی

وہ زندہ دل کہ گر کوئی غفلت سے اونگھ جاے — جمتول[4] اک جما ہی تو دے تان کر تڑی

غفلت کھڑی ہو سامنے اس کے مجال کیا — دھم سے زمین پہ آتی رہے ہے، کھاے وہ چڑی

جس کے حضور جا کے کرو حال یہ بیاں — وہ ہی کہے کہ "جھوٹ ہے، سب جی کی ہے گھڑی

---

[1] دل جگر گردہ وغیرہ
[2] ڈھیر
[3] وہ پرزا جو جگانے کے کام میں آتا ہے
[4] لات

شہباز گرچہ ہے یہ پہیلی کھُلی کھُلی
بُوجھے گا پھر بھی جو کوئی پائے گا اک گھڑی

حضرت شہباز کے اچھوتے خیالات

قانونی پپیہے

آٹھ ساڑھے آٹھ بجتے یہ جو کالج کی طرف
جاتے ہیں قانون کا سننے کو لکچر کچھ جواں

اُن کی باتیں ہیں عجیب چالیں اُن کی غریب
ہونگے کم اس طرح کے قانون خواں قانون داں

کر رہا ہے شرحِ قانونِ شہادت لکچرر
تیغِ غمزہ سے ہے واں دل کی شہادت کا بیاں

ہے کھلا واں میز پر قانونِ تعزیرات ہند
قیدِ تنہائی کا شکوہ ہے انھیں یاں برزباں

واں ہے عرفی حیثیت اُس کا ازالہ زیرِ بحث
یاں ہے بکر فکر کو کچھ اور ازالے کا گماں

ہو رہی ہے بحث واں اسلام کے قانون کی
چھڑ گئی ہے یاں کسی کافر کی رنگیں داستاں

دیکھتا ہے اک گزٹ میں وانٹڈ کے اشتہار
پڑھ رہا ہے دوسرا ناول کوئی لذت نشاں

تیسرے صاحب کے آگے ٹائم ٹیبل ہے کھلی
چوتھے صاحب دیکھتے ہیں نقشۂ ہندوستاں

پانچویں صاحب جمائے ہیں نظر دیوار پر
اور چھٹے صاحب ہیں بیٹھے کر رہے خوش فعلیاں

ہیں شرارت شیطنت میں ساتویں ابلیس وقت
آٹھواں ہنسنے ہنسانے میں ہے کشتِ زعفراں

ہاتھ میں ہیں مخش تصویریں نویں صاحب لئے
دسویں صاحب دے رہے ہیں لکچرر کو گالیاں

ایک دو کو چھوڑ کر یوں ہیں سب[۱] وقفِ فضول
لکچرر کا ہے فضول اس حال میں حسن بیاں

مارے باندھے آتے ہیں ہیں جنکو پریسنٹ[۲] کا ڈر
چین سے ہیں گھر میں بیٹھے جن کو ہے اس سے اماں

۱؎ ضرورت اشیاء ۲؎ حاضری اسکول کی مقررہ تعداد ۱۲

حاضری کی "پی"[1] کی ہو ان کو رجسٹر میں تلاش	ہیں قانونی پپیہے بولتے ہیں "پی کہاں"

حاضری اس طرح کی شہباز کب ہی شرطِ عقل
یونیورسٹی میں گو ٹھہری ہو شرطِ امتحاں

مولٰنا شہباز کا جھولا

مبارک ہو لگیں پڑنے پھُواریں
پڑے خوبی سے امریوں میں جھولے
وہ ریشم کی ہری اور لال ڈوری
بندھا ڈوری سے وہ صندل کا پٹرا
کمر خوبی سے پینگوں پر لچکتی
سُہانی وہ دلوں کی سنسناہٹ
ادا کچھ پاکے وہ کھوئی ہوئی سی
وہ ہر دم دل میں اُٹھتی گدگدی سی
سُبک سیدھی سرکتی سرسراتی
نہ جمتی آنکھ میں ہموار ہوتی
وہ پینگوں کا بڑھانا بانکپن سے
پڑے پینگوں کے جھونکوں سے جھکولے

خزاں رخصت ہوئی آئیں بہاریں
ہوا میں حُسن کے گلزار پھولے
حنائی اُنگلیاں وہ گوری گوری
وہ پائے صندلیں صندل کا کٹرا
خوشی دل میں اُمنگوں سے اُچھلتی
مزوں کی پیاری پیاری دل میں آہٹ
وہ دہشت دودھ کی دھوئی ہوئی سی
دمکتی دمبدم مُنھ پر خوشی سی
زمیں ٹھہری ہوئی وہ نکلی جاتی
ہوا کی طرح خوش رفتار ہوتی
یکایک دل کا ہو جانا وہ سن سے
لگے دل میں اُمنگوں کے ہنڈولے

[1] رجسٹر اسکول میں حاضر طالب علم کے لیے انگریزی حرف P لکھا جاتا ہی ۱۲

بنا رکھی ہیں پینگوں سے کمانیں
کہ سب خوش قامتوں کو تیر جانیں

ہوے جاتے ہیں دل ہر چند سن سن
برابر چل رہے ہیں تیر زن زن

کھڑی پینگوں پہ ہیں جو تیر قد دو
انھیں دو پڑہ پرکار سمجھو

بھریں ہیں ان میں اقلیدس کی شکلیں
دوائر اور قسی ہی ان سے نکلیں

غرض ہی ان سے عشرت کی مساحت
کہ ہو ثابت دلوں میں شکل راحت

لکھا شہباز نے جھولے کا کب حال
بچھایا عشق کا اس آڑ میں جال

پروفیسر شہباز کے نیچرل خیالات

(مرقع فطرت)

"بچوں کو دودھ پلاتی کتیا"[1]

کتیا جو ہی دودھ پلاتی
قدرت کی ہی سیر دکھاتی

چھ چھ بچے چمٹے ہوئے ہیں
ایک جگہ سب سمٹے ہوے ہیں

پاؤں ہیں پیچھے ہاتھ ہیں اوپر
چھاتی پہ منہ لیمن اسکوئزر

شیرہ سب ہیں نچوڑے لیتے
خالی سفل میں چھوڑے دیتے

چھاتی نہیں یہ منہ میں دبی ہی
منہ سے لگی یہ مرغبی ہی

منہ میں جب کوئی جرعہ آیا
بس آنکھوں میں نشہ سا چھایا

[1] یہ نظم اورنگ آباد دکن میں دودھ پلاتی کتیا دیکھ کر کہی گئی تھی ۱۲

جس کو دیکھو ہی وہ مزے میں
آنکھیں بند ہوئی ہیں لٹنے میں

جام پئیں گے یہ جی بھر کے
باز رہیں گے خالی کر کے

عرش سے ان پر مئی ہی برستی
رشک کی جا ہی ان کی ہستی

ظاہر میں ہی ادنےٰ کتیا
باطن میں ہی مہد العلیا

سر سے پا تک خاص ادا ہی
مہر بھری بچوں کی ما ہی

اپنی محبت پر یہ اڑی ہی
شفقت کی تصویر کھڑی ہی

کھاتی منہ کے سو سو جھٹکے
رنج ولیکن پاس نہ پھٹکے

حیران ہی چپ چاپ کھڑی ہی
فطرت گویا آپ کھڑی ہی

سر کچھ کچھ آگے کو بڑھائے
دم کچھ کچھ نیچے کو دبائے

دودھ پلاتی ہی بچوں کو
وجد میں لاتی ہی اچھوں کو

جام محبت ہی چھلکاتی
رنگ الفت کا ہی جھلکاتی

النساں کے گر دو ہوں بچے
دو ہی دن میں گھبرا اٹھے

پھر کتیا کے ضبط کو دیکھو
تنہا پالتی ہی چھ چھ کو

لطف برابر فرماتی ہی
گھبراتی ہی نہ اکتاتی ہی

جھنجھلاتی ہی، مگر غیروں پر
آنچ نہ آئے تا بچوں پہ

کتوں پر بھی غراتی ہی
کھسیاتی ہی جھنجھلاتی ہی

کتے تو کیا ہیں شیر گرائے
اس سے بھی یہ منہ نہ پھرائے

پاؤں کو اپنے سرعت دے
لپکے، بجلی کو حیرت دے

دم میں جھٹکے صاف چھڑا دے
اڑ کر سارے ہوش اڑا دے

ہڈی پسلی توڑ کے رکھ دے
دانتوں سے جھنجھوڑ کے رکھ دے

گویوں ہی یہ غضب کی شدت
پردے میں ماں بھی ہی شفقت

صدقے اے قدرت کے مالی — پھول جلالی شاخ جمالی

پروفیسر شہباز کے روشن خیالات

جنّت کے جھروکے

کھلے ہم پہ دُنیا کے دھوکے کھلے
کھڑا کے سے اب یہ کھلیں کھڑکیاں
عجائب ہیں کچھ اُن جھروکوں کے طور
تکلف سے ہیں کھڑکیاں کھل رہیں
نئے حسن ہیں خوبیاں ہیں نئی
دکھاتے ہیں پیاری لپٹ اور جھپٹ
سدا کھلتے اور بند ہوتے ہوئے
مچلتے کبھی پنکھڑیوں کی طرح
کبھی کھل کے دُھر تک دکھاتے ہوئے
کھلی ہے کہیں اس طرح جھلملی
کہیں اس طرح ہیں دریچے کھلے
کہیں کھڑکیوں میں یہ خوبی ہوئی
کہیں خوبیوں کا یہ ہے سلسلا
کہیں یہ کہیں دل میں پیدا خیال
کہیں مست آنکھوں کی تصویر ہے

نہ جنت کے ایسے جھروکے کھلے
جھڑا کے سے غم کو ملیں جھڑکیاں
نہ دیکھی کھلی یوں کبھی چشم غور
ترازو میں ہیں خوبیاں تل رہیں
جھروکے نئے کھڑکیاں ہیں نئی
کھلے کھڑکیوں اور جھروکوں کے پٹ
لطافت کے موتی پروتے ہوئے
جھپکتے کبھی انکھڑیوں کی طرح
کبھی مُند کے سب کچھ چھپاتے ہوئے
کلی جس طرح ہو کوئی ادھ کھلی
کہ کھلنے پہ غنچے ہوں جیسے تُلے
کہ جس طرح کلیاں ہوں بکھری ہوئی
کہ جس طرح ہو پھول پورا کھلا
کہ ہے عیش میں دل کا بے چین حال
کہیں خواب مستی کی تعبیر ہے

کہیں ہیں تبسّم سے لب ہنس رہے
کہیں پھول خوشبو میں ہیں بس رہے

کہیں ہیں کھلے مثلِ آغوشِ شوق
کہیں لے گئے ہیں کچھ اُس پہ بھی فوق

بدلتے ہیں ہر چند جھوکوں کے ساتھ
یہ خوبی سدا ہی جھروکوں کے ساتھ

بنائے ہیں وہ خوش نما دائرے
ہیں جن دائروں میں بے انتہا زاویے

ہر اک دائرے میں ہیں محبوبیاں
ہر اک زاویے میں ہیں سو خوبیاں

ہے نظر ایک لیکن وتی سیکڑوں
ہے دل ایک لیکن خوشی سیکڑوں

ہے اس طرح کا جن جھروکوں کا حال
ہو واں کس طرح حور و غلماں کا کال

حوریں

وہ حوریں ہیں گردن نکالے ہوئے
ذرا ہوش گھڑی سنبھالے ہوئے

ڈھلی ہیں وہ سانچے میں یاقوت کے
فرشتوں کے ساماں ہیں یا قوت کے؟

صراحی کی گردن میں یہ آب کب
اگر آب بھی ہو تو یہ تاب کب

ہے ممکن یہ گردن ہمیں ہاتھ آئے
جو موتی کی یکساں صراحی بنائے

نظر خوبیوں پہ اگر اُس کی جائے
یہاں وہ صراحی بھی گردن جھکائے

وہ گردن ہیں عالم لطافت کے ہیں
خدا جانے کیا گھونٹ شربت کے ہیں

یہاں پیک کا ذکر کیا پھر بھی رنگ
سکھاتا گلوری کو ہے رنگ ڈھنگ

گلے سے گر اُترے شراب طہور
ابھی جگمگا جائے مینائے نور

مُڑے جب لطافت اِدھر سے مُڑے
کہاں ایسی مینا کو گردن جُڑے

سلیقے سے گردن ہے مُڑتی ہوئی
تبسّم سے خوشبو سی اُڑتی ہوئی

گرہ کی طرح گرچہ گردن میں ہے
نزاکت سے ٹہنی یہ ہلتی ہوئی
بڑھاتا ہے گردن کا خط دل میں شوق
وہ کنٹھی ہے موتی۔ ہے ریشم یہ خط
عجب ہے یہ قدرت کا کنٹھا بنا
صباحت سے مینا یہ سرشار ہے
وہ کنٹھے کی زینت سپیدی یہ ہے
یہ کنٹھا نہیں ہے صباحت اثر
سحر کہ رہی ہے یہ کھڑکی سے جھانک
صدف میں جو ہوتی سنے یہ مقال
بناوٹ سے جائے سحر پھر بگڑ

کلی موگرے کی یہ گلشن میں ہے
نسیم مسرت سے کھلتی ہوئی
پنہایا ہے قدرت نے قمری کو طوق
ہے قدرت کے کنٹھے کا جس سے نمط
سہیل یمن جس پہ شیدا بنا
سپیدی سحر کی نمودار ہے
ستارہ سحر کا بلندی پہ ہے
اثر سے قریں ہے دعائے سحر
دیا کس نے موتی گریباں میں ٹانک
سحر سے کہے منہ گریباں میں ڈال
گھر لے سحر کا گریباں پکڑ

آموں کا بچپن

پھاگن کا ہے مہینا عشرت کا دور آیا
ہرے سے پتے کے خرمی عیاں ہے
شاخیں جھکی ہوئی ہیں ٹہنا تنا ہوا ہے
نقش ونگار زریں کرتر ہو رہے ہیں
کیا بھینی بھینی خوشبو چاروں طرف ہے پھیلی

مہکا ہوا ہے صحرا باغوں میں مور آیا
جو شاخ آم کی ہے اک شاخ زعفراں ہے
جو پیڑ آم کا ہے دولھا بنا ہوا ہے
جو پیڑ باغ میں ہیں کشمیر ہو رہے ہیں
خوشبو کو سونگھ بھنورا مجنوں ہے شاخ لیلی

کیا مست بو ہی پھیلی بھایا جو اِس کا آئیں
گر و اپنے دل کے دامن سے آن دھو رہی ہیں
یہ مکھیاں کسی دم سوتی نہ او نگھتی ہیں
پُر شغل زمزموں سے اک دھوم ڈالتی ہیں
تونبا نہ تار کھونٹی، سندری نہ ہی جواری
لے جا رہی ہیں ہر دم ہر لحظہ اپنے گھر یہ
کرتی ہیں جا کے گھر میں شہد اپنے یہ ذخیرہ
ملتے جو خضر مجھ کو تو ان سے میں یہ کہتا
مکھی کو آج امرت ساگر کا مرتبا ہی
آب دہن کی خوشبو چاروں طرف ہی پھیلی
قطرے کی جب بنائی آب دہن نے شیشی
یہ عطر پُر حلاوت گر جا کوئی سنگھا ے
بھنورے بھی ہر طرف سے یاں آ گئے سمٹ کر
اوچی بھننگ کر وہ بادل سے چھا رہے ہیں
خوش بو کے عشق میں یہ کیا ہوش کھو رہے ہیں
بھنوروں کو مکھیوں کو فطرت ہی شہد دیتی
بیکار ہو رہے پھر ان کو نہیں بٹھاتی
پُر لطف زمزموں سے ہیں دھوم جو مچاتے
وہ لجے نر سے مادہ شاخیں وہ آن چمٹیں
معصوم وار عشرت کی کروٹیں بدل کر
یاں تو معاملے یہ عشرت کے ہو رہے ہیں

کو سو سے مکھیاں بھی کیا کیا سمٹ کے آئیں
گچھے پہ مور کے وہ قربان ہو رہی ہیں
ہیں مست بھینی بھینی خوش بو یہ سونگھتی ہیں
محنت کی سختیوں کو گا گا کے ٹالتی ہیں
اور بج رہی ہے ان کی پھر بھی پڑی ستاری
شربت لذیذ شیریں اور صاف چوس کر یہ
ہوتی ہے عقل انساں اس واقعے سے خیرہ
ہے شہد آب حیواں ظلمات معہیٹ ان کا
یہ شہد تو نہیں ہے امرت اُبل رہا ہے
منہ اُن کا کر رہا ہے کیا کیا گلاب پاشی
لذت نے سر سے پا تک خوش بو ہی اس میں بھر دی
حلوائی اور گندھی دونوں کو رشک آئے
کیا کیا لگا رہے ہیں پیڑوں کے گرد چکر
اوپر ہی اوپر اپنا گا اور بجا رہے ہیں
عاشق کی طرح بالکل مدہوش ہو رہے ہیں
اور چپکے چپکے اُن سے ہے اپنا کام لیتی
نر اور مادہ شاخوں کا بیاہ ہے رچاتی
سچ مچ ہیں شادیانہ دولہا دُلھن کا گاتے
گردن میں ڈال باہیں جی کھول کھل لپٹیں
دیتی ہیں داد عشرت رکھ کر منہ اپنا منہ پہ
دہقان کاشتکار فطرت کچھ تخم بو رہے ہیں

اِس باغ میں ہیں جتنے بادِ صبا کے جھونکے
عشرت کی کروٹیں یا جوبن بدل رہی ہیں
شاخوں میں جب زمرّد کی طرح یہ پھلیں گی
کوئل نے آکے لیجیے اک تان یوں لگائی
ہیں دیکھنے میں گرچہ خشخاش کے سے دانے
نلے حصر ہیں انہی میں پوشیدہ برگ اور بار
اشجار میں کروڑوں قوّت کے ہیں لگے پھل
کھل کھل پڑیں جو کلیاں قوّت کی اِن پھلوں کی
گچھے ہیں ہو رہے پھل ہیں گٹھلیاں پھلوں میں
قدرت کے گلستاں میں پھیلائے پانوں جب شاخ
کھل پڑنے پر یہ نوعی زنجیر گو بڑی ہے
قدرت کے سُبحے کا ہے وہ پُر طلسم دانہ
تسبیح کیریوں کی ہے اک طلسمِ حیرت
یہ کیریاں نہیں ہیں بچے ہیں دُودھ پیتے
جڑ نے زمیں کی چھاتی سے بھر لیے ہیں گھونٹے
آنکھیں ہیں بند ان کی اور دودھ پی رہے ہیں
سرسبز شاخ ان کا گہوارہ ہے بناتی
پیارے سُروں میں کوئل دیتی ہے لوری آکر
کیا جانیے یہ بچے تھے جاگتے کہ سوتے
پتّوں نے ننّی مُنّی بگھی جو لا کھڑی کی
آیا تھی پیچھے پیچھے بگھی تھی آگے آگے

مُژدے ہیں گوشِ جاں میں سرسبز کیریوں کے
بس کیریاں ہی سانچے سانچے میں ڈھل رہی ہیں
پتّوں کے دامنوں میں یہ کیریاں پلیں گی
"باغوں کو ہو مبارک! دیں کیریاں دکھائی"
ہیں بھرے انہی میں قدرت کے سو خزانے
سمٹے ہوئے انہی میں ہیں بیشمار اشجار
ہر پھل میں لگ رہا ہے آموں کا ایک جنگل
حد بھر نظر آئے صحرا میں جنگلوں کی
گٹھلی میں کونپلیں ہیں شاخیں ہیں کونپلوں میں
سر کھینچیں آسماں تک لاکھوں زمرّدیں کاخ
ننّی سی کیری میں پر سمٹی ہوئی پڑی ہے
جس میں چھپا ہوا ہے تسبیح کا رخانہ
پڑھتے ہیں جس پہ عامل "سبحان تیری قدرت"
جو دودھ کے سہارے اس مہد میں ہیں جیتے
پہنچاتے مُنہ تلک ہیں نلیاں ربڑ کی ریشے
آغوشِ تربیت میں کیا خوب جی رہے ہیں
بن کر نسیم دایہ ہے دم بدم ہلاتی
"سُوجا تو بالے بھولے سو جا تو پیارے دم بھر"
شبنم کو مُنہ اندھیرے دیکھا مُنہ ان کا دھوتے
آئے مزے میں سورج بھی اُن کو ہوا خوری کی
دہنی طرف بھی دوڑے بائیں طرف بھی بھاگے

پھیلائی اس میں مشرق سے مہر نے حرارت — پتّوں کے خیموں نے کی آ دھوپ سے حفاظت
سائے میں ہی جھُلاتی گاہے اُچھالتی ہے — ناز و نعم سے فطرت یوں اِن کو پالتی ہے

آموں نے ہوش سنبھالا

خشخاش کیریاں تھیں پہلے ہوئیں مٹر پھر — دو دو مٹر کی ہو کر تھیں بیر سر بسر پھر
اس سے بڑھیں تو چمکیں بنکر گلاب جامن — سرسبزیوں کی تھی جا شادابیوں کی مامن
نشو و نما جوان کی اس سے کچھ آگے سرکی — میزان تربیت میں ٹھہریں چھٹانک بھر کی
کوئی درخت اِن کو دل اپنا جانتا ہے — اور کوئی پیڑ ان کو گردہ ہی مانتا ہے
کاش ایسے دل ہمارے سینوں میں بھی لٹکتے — شیرے لذیذ جن سے تاثیر کے ٹپکتے
دل میں سگٹھے ہمیشہ اصلی سرور رہتے — اخلاق کے نشے میں دن رات چُور رہتے
پتّوں کے جھگھٹوں میں شکلیں ہیں بھولی بھولی — ہے جن پہ لطف و خوبی نے اک دُکان کھولی
بشرے پہ کیریوں کے رونق ہے اِس چمک کی — جس نور سے ذہانت چہروں پہ ہے دمکتی
چہرے پہ اپنے آنکھیں گرچہ نہیں یہ رکھتیں — پر کہہ رہا ہے چہرہ سب کچھ ہیں یہ سمجھتیں
جادو سے اپنے چشمک جب دم یہ مارتی ہیں — کیوپڈ کی طرح الفت دل میں اُبھارتی ہیں
نے بہرِ کان ہے بھی گو ہیں دکھائی دیتی — سننے سنانے پہ ہے صورت گواہی دیتی
یتور سے اپنے یہ تو ہیں چشم و گوش والے — رکھے ہیں یہ قیافے کے عقل و ہوش والے
عارض بھرے بھرے ہیں اصحٰق کے دو نگینے — بھر جاتے ہیں خوشی سے دیکھے سے جن کے سینے
ٹھڈی نکیلی اُن کی ہے بوسہ گاہِ خوبی — جو جودت و ذکاوت میں سر بسر ہے ڈوبی

جب اس طرح کا صورت پذیر ذہن اور ذکا ہو
تعلیم کو زمانہ پھر کیوں نہ اُٹھ کھڑا ہو

مکتب میں ان کو علوی آبا نہ کیوں بٹھائیں
اوراق قاعدے کے کیوں تتلیاں نہ لائیں

کیوں دے نہ روشنی پر خورشید دن کو لکچر؟
ہیئت کا کیوں نہ کھولے راتوں کو چرخ دفتر؟

برگ شجر بھی علمی کرسی نہ کیوں بچھائیں؟
تحلیل کیمیاوی کا گُر نہ کیوں بتائیں؟

طوفان کی آمد

کیا بات ہے یکایک رنگ آسماں کا بدلا؟
مشرق سے بحر نیلی کیوں ہو چلا ہے گدلا؟

کچھ دیکھئے اُفق کی خاکی دھواں اُٹھا کر
دامن میں آسماں کے ٹانکی ہوا نے جھالر

خاکی لپٹیں دھوئیں کی بل کھائے جا رہی ہیں
اُمڈی ہوئی گھٹا کا خاکا اُڑا رہی ہیں

تاثیر عکس سے اب بدلا ہوا سماں ہے
چوتھائی آسماں تک چھایا ہوا دھواں ہے

کس طرح کا تماشا ایجاد ہو رہا ہے
خاکی دھوئیں کا خیمہ استادہ ہو رہا ہے

یوں دیکھنے میں خیمہ چپ چاپ گو کھڑا ہے
چپکے ہی چپکے لیکن مغرب کو بڑھ رہا ہے

فانوس ار اس میں ہے روشنی سمائی
پڑتا ہے عکس صحرا اور دشت پر طلائی

کرنوں نے جب غباری خیمے سے سر ابھارا
آیا نظر زبردست آنکھوں کو اک غبارا

کیا روشنی طلائی خوبی سے چھن رہی ہے
سطح زمیں طلا کا اک طشت بن رہی ہے

ہر چند خلق کو اک حیرت لگی ہوئی ہے
اس روشنی کے پیچھے ظلمت لگی ہوئی ہے

کیا جانئے فلک نے کیوں تیوریاں چڑھائیں؟
ظلمت نے نیلی وردی کی پلٹنیں بڑھائیں

خاکی وردی کی فوجوں کو تیرگی دباتی
اپنی سیاہ وردی کا رُعب ہے جماتی

۱؎ قواعد

دکھلا رہا ہے آنکھیں وحشت فزا دھندلکا
گھوڑوں پہ آرہے ہیں بیش از عدد بگولے
گھوڑے کو اپنے بڑھکر کوئی جما رہا ہے
وہ آگیا بگولوں کا پیچھے طلایا[1]
آتے ہی اُن کے ظلمت کا چھا گیا گھٹا ٹوپ
وحشت کا بینڈ باجا زوروں سے بج رہا ہے
شیر آفتوں میں گھر کر بن میں دہاڑتے ہیں
طوفان نے یہ کیسی آکر ہوا چلائی ؟
دروازے کیوں گھروں کے غصّے سے لڑ رہے ہیں
چھپّر کھسوٹتے ہیں کیوں اپنے بال ناحق ؟
کیوں ندّیاں زمیں کو دشمن سمجھ رہی ہیں ؟
بگڑی ہوئی ہوا کا ہے یہ فساد سارا

ہے سنسناہٹوں میں ہنگامہ ٹڈی دل کا
گردوں نسب بگولے عفریت قد بگولے
کوڑا جما کے کوئی کاوے پہ لا رہا ہے
طوفاں کے ہاتھ سے اب بھاگیں کہاں خدایا!
کس دھوم سے سلامی ہے کر رہی ادا توپ
بجلی کڑک رہی ہے بادل گرج رہا ہے
طوفان کے گلے سے ہاتھی چنگھاڑتے ہیں
مُنہ پر اُڑی ہوئی ہے ہر شخص کے ہوائی
دیوار پر تمانچے کیوں در کے پڑ رہے ہیں ؟
صحنِ مکاں کا ہے کیوں رنگ اس طرح فق ؟
ساحل سے کس لئے یوں موجیں اُلجھ رہی ہیں ؟
ہر انتشار سے ہے طوفان آشکارا

باغوں میں اُس کا زور

باغوں میں آگیا اب طوفاں کا زور دیکھو
جھونکوں سے آفتوں کے شاخیں لچک رہی ہیں
ٹہنوں پہ پڑ رہی ہے شاخوں کی مار پیہم
برگِ شجر غلط ہے ہرگز نہیں یہ بکتے

چنبر میں ہر شجر کے آفت کا شور دیکھو
ٹوٹی ہیں جو وہ اُلٹی سیدھی لٹک رہی ہیں
آیا ہے اس غضب سے پیڑوں کا ناک میں دم
تکلیف درد سے خود یوں پیڑ ہیں سسکتے

[1] وہ فوجی گروہ جو رات کو شہر یا اپنے لشکر کی چوکسی کرے۔

شاخیں کچھ اس طرح سے آپس میں لٹ رہی ہیں
ہنگامہ ہر شجر کے گھر میں مچا ہوا ہے
شاخوں میں اور ان میں فرقت کا ڈھنگ ہو کر
الجھے ہیں بال کھلی شاخوں کی گردنیں ہیں
بیٹھے بٹھائے ایسی کیا آئی ان کے جی میں
ڈر سے پرند سکڑے سمٹے پڑے ہوئے ہیں
آنکھیں ہیں بند دونوں چونچیں کھلی ہوئی ہیں

ہر شاخ پر ہزاروں تلواریں پڑ رہی ہیں
اک خانہ جنگیوں کا عالم رچا ہوا ہے
لاکھوں ہی اڑ رہے ہیں پتے پتنگ ہو کر
باہم گتھی ہوئی کل منڈی کی کنجڑنیں ہیں
پہلے تو عاشقانہ برتاؤ تھے انھی میں
ہوش اڑ گئے گھونسلوں کی صورت اڑے ہوئے ہیں
اڑنے پہ مرغ بنکر جانیں تلی ہوئی ہیں

سنگترے

باغوں میں پھر کر ڈالی میں لاتی ہو ڈالی سنگترے
صورت میں ماہ کامل ہیں اور ماہ کامل کی صورت
آنچل سے رنگیں ہو کے کچھ چھپ چھپ کر کچھ کھل کھل کر
جس وقت کہ سایہ شاخوں کا سر سے انکے اٹھ جاتا ہے
قدرت کے منہ سے پڑھتے ہیں بازار میں آیہ فضلنا
ہاتھوں میں عاشق کے آکر اک خاص ادا سے پھر پھر کر
روشن ہے ان کی لذت سے اک خضر چھپے ہیں ظلمت میں
ہر شام و سحر جو سنتے ہیں چڑیوں کی صفیریں شاخوں پر
ہیں جھومنے کیت ہواؤں کے اٹھتی ہیں امنگیں رہ رہ کر
ہے باغ کہاں بازار ہے یہ یہ پیڑ نہیں دکانیں ہیں
سونے کے گیند نگاہوں میں سورج کے اچھلنے لگتے ہیں

سرسبزی سے دکھلاتے ہیں سبزی میں لالی سنگترے
حلقے میں اپنے رکھتے ہیں اشکال ہلالی سنگترے
دوشیزوں کی دکھلاتے ہیں تصویر خیالی سنگترے
آوارہ در در پھرتے ہیں بے وارث والی سنگترے
اک لذت پاش فصاحت سے ہے تربوز جمالی سنگترے
کیا میٹھی میٹھی دیتے ہیں خوبوں کو گالی سنگترے
ہر قاش میں اپنی رکھتے ہیں امرت کی پیالی سنگترے
پڑھواتے ہیں کچھ مطلب سے اسمائے جمالی سنگترے
کب بیٹے سے پتے بجتے ہیں ہیں بجاتے تالی سنگترے
ڈالی میں رکھکر لائے ہیں قدرت کے مالی سنگترے
جس وقت دکھا بھر دیتے ہیں چاندی کی تھالی سنگترے

ہم آپ تو کیا ہیں جانب شاہو کی نگاہیں مڑتی ہیں
گویا ہیں نگاہیں قطب نما اور قطب نما لی سنگترے

گو آپ اذیت سہتے ہیں منہ میٹھا سب کا کرتے ہیں
اس مرے دے میں کھلاتے ہیں فرخندہ خصالی سنگترے

مضمون نیا ہی دیوا سے دیوان نکلتے آتے ہیں
دیوان نرالی قاشیں ہیں دیوان ہلالی سنگترے

قاشوں کی طرح سے جھک جھک کر سو منت اور سماجت سے
شہباز سے بھی لکھوائیں گے دیوانِ ہلالی سنگترے

نوروز کا نیا تحفہ

(سال نو کا نو طرز خیر مقدم)

آج کی تاریخ میں ہیں یاں اکٹھے تین نو
سال نو اور ماہِ نو اور روزِ عیش آگیں نو

محفلے میں شوق کے دیں لو بہ نو عشرت کی داد
چاہیئے جاری ہو اس دم عیش کے آئین نو

نوجواں نو عمر نو نو خیز ہوں پہلو میں جمع
جن کی چین زلف میں لپٹے پڑے ہوں چین نو

سین دیں اں وہ دکھائیں سینِ چشم شوق کو
نکلے ہر دم سین سے احسنت کے تحسین نو

خوش نوائی کا وہ عالم ہو کہ ہر اک تان پر
آن کر بیٹا ہوں میں چیخ اٹھیں بین نو

جگمگاتے موتیوں کا سر سے پا تک ہو ہجوم
جو نیوں کے ہوں فلک پر کم سے کم پروین نو

دینِ عیسیٰ رخ پہ صدقے دینِ موسیٰ زلف پر
بلکہ ایسے ہوں تصدق ہر ادا پر دین نو

چشم کا فر گر بنائے ایک کو تو لام زلف
کھینچ لے اسلام میں اک آن میں بے دین نو

شہد ریزی پر ہو مائل جب کبھی یاقوت لب
صاف دو خوشبو شہد سے بھر جائیں سیمیں ٹین نو

ایک بوسے کی طلب پر ڈیڑھ درجن لب بڑھیں
تا کہ لیں لب چاٹ چٹ بوسۂ شیریں نو

یوں دعا نکلے زباں سے خلق کا برتاؤ دیکھ
نہ فلک سے دیں سنائی عرش کو آمین نو

ڈیڑھ درجن ابرو دوں میں تو تو ہوں وقف قتال
دل بڑھائیں کہہ کے ہر دم آفریں تحسین نو

تو نگاہیں تو شدارو تو نگاہیں نیشتر
یعنی تو مضطر کریں گر آ کے دیں تسکین نو

ہر نگہ کے ہاتھ میں اس طرح کی سنگین ہو
پیش آئیں معرکے سنگیں کبھی سنگین نو

ڈیڑھ درجن چشم قتاں قتل میں پھرتی دکھائیں
چشم تو لے کے دوڑیں قلب پر سکین نو

رحم کا جامہ پہنکر پھر بھی قتال خلق
آنکر جھٹ پٹ کریں تجہیز تو تکفین نو

اپنے جب اعمال پر چاہے تو نظر لے اختیار
زلف کے ہر پیچ میں آئیں نظر سجین نو

چشم لیکن باب رحمت کھولدے اک آن میں
جس کے کھلتے ہی نظر آ جائیں علیین نو

تنگ ہے جب دل کو نفرت ہو تو قاضی کو بلا
ہوں مزین مہر شرعی سے وہیں کابین نو

شوق کے عالم میں ہو پھر گر سواری کا خیال
رکھیں گھوڑوں پہ جسے زینت سے زریں زین نو

آئیں چکر میں فلک تازی کی تیزی دیکھکر
ہر قدم پر دیں سنائی نعرۂ تحسین نو

ہو لطافت سے کبھی مصرع کوئی موزوں اگر
چھوٹتے ہی اس پہ مصرعے شوخ ہوں تضمین نو

قصد لکھنے کا اگر اک شعر کے ہو طبع کو
شعر موزوں ایک کی جا ہوں وہیں رنگین نو

کوئی صیغہ پوچھیں یہ ہم تو باب ضرب سے
ایک کی جا پر بتائیں از پئے تمرین نو

الغرض محفل میں پھیلی ہو خوشی کی روشنی
جلوہ گر ہو ہر در و دیوار سے تزئین نو

جس جگہ آئے نظر شہباز اس دل کا شکار
ناز و غمزہ کے لپٹ جائیں اسے شاہین نو

۱؎ دکن میں ایک آدھ حروب ہوتا ہے ۱۲

مولانا شہباز کے آزادانہ خیالات

حضرت رمضان کا فوٹو

دو ہفتے سے گھر میں مرے وارد رمضاں ہیں
فرماتے ہیں ہم ایک سے دن بھر نہ پیو کھاؤ
حقّہ بھی پئے کوئی تو لٹھ لے کے ہیں اُٹھتے
سُرمے سے خفا عطر سے ہیں ناک چڑھاتے
بیوی کو یہ شوہر سے چھڑاتے ہیں کڑک کر
آنے نہیں دیتے کبھی بوسوں کو لبوں تک
ہیں گال حسینوں کے دو مرجھائے ہوئے پھول
وہ ہونٹ نزاکت سے جو غلطاں وہ پاں تھے
نظارے کی جرأت نہیں پڑتی ہے نگہ کو
کاٹے نہیں کٹتے ہیں قیامت کے یہ دن ہیں
یہ شام نہیں آنکھوں میں چھایا ہے اندھیرا
ہے شام مہینوں ہی میں جاکر کہیں آتی
طاقت نہیں ہاتھوں میں کہ دانے کو اٹھائیں
روزہ نہیں کھلتا ہے کسی قلع کا پھاٹک
ہیں سخت وضو کے لیے یاروں کے تقاضے
بے قید جو ہیں پیتے ہیں آزادی سے حقّہ
مسجد میں ہیں ترتیل وقراءت کے وہ جھگڑے

جھلّے یہ کچھ ایسے ہیں کہ سب ان سے بجاں ہیں
جوع اور عطش دو ہی شریعت کے نشاں ہیں
اور پان کے مسّی کے تو یہ دشمنِ جاں ہیں
آثارِ غضب ناس سے بشرے پہ عیاں ہیں
ہاں بیویوں پر اب تو حرام ان کے میاں ہیں
تنگ ان سے بہت تنگ دہانوں کے دہاں ہیں
گلزار کہاں حسن کے سب وقفِ خزاں ہیں
اب پیاس سے سوکھے وہی صورتِ پاں ہیں
جلّاد کی ترکیب سے حضرت نگراں ہیں
گھنٹے ہیں گراں کوہ منٹ سنگِ گراں ہیں
خود شام کو جس پر شبِ یلدا کے گماں ہیں
سُنتے کہیں برسوں ہی میں مغرب کی اذاں ہیں
گو بھوک سے یوں چہرے پہ دس بیس دہاں ہیں
فاقے سے فقط جاں بلب النسانِ جہاں ہیں
حافظ بھی سوئے مسجدِ ہمسایہ رواں ہیں
ہم دیکھتے حسرت کی نگاہوں سے دھواں ہیں
آمین کی جا مقتدی کہتے الاماں ہیں

ہوتی ہی نہیں ختم کسی طرح سے رکعت
مغرب پہ تراویح کے یاروں کو گماں ہیں

مغرب ہی چلی جاتی ہی مغرب سے عشا تک
سُن لیتے کبھی اس میں ہی مُرغے کی اذاں ہیں

حقّہ پئیں کیا خاک کہ مغرب سے عشا تک
حافظ جی سُلگتے ہیں آیاتِ دُخاں ہیں

حق تلخ ہی پکتے ہی نبتی ہی عزیزو
حقّے کی طرح جلتے ہیں سرگرم فغاں ہیں

ہیں گھر میں خدا کے کہ وہ جا پہنچے خدا گنج
افیونیوں کا حال نہ پوچھو کہ کہاں ہیں

دکھلاتی ہی اعضا شکنی سنگِ فلاخن
انگڑائیاں ہاتھوں میں لیے تیر و کماں ہیں

انگڑائی کے مارے ہیں جمائی کے پچھاڑے
پھیلائے جو ہیں ہاتھ وہ کھولے جو دہاں ہیں

سمجھو نہ رکوع اس کو جھکے اور طرف یہ
سجدے کے بہانے یہ سوئے خاک رواں ہیں

مسجد سے جو آئے تو پھرے گھر سے خدا کے
الفاظ ہیں جو شکر کے سب وردِ زباں ہیں

غم خوار ہیں حیران کہ کھایا نہیں جاتا
ہر چند کہ انواعِ نعم زینتِ خواں ہیں

دو لقموں میں پھر گھر میں تراویح کا غل ہی
حافظ جی مُصلّے کی طرف مُوئے کشاں ہیں

ہیں جان کی خاطر یہ نئی طرح کی دقت
اُٹھنے میں ہیں گر تیر تو جھکنے میں کماں ہیں

حافظ نہیں ہی فوج کا افسر کوئی آگے
زخموں سے مگر چور ہیں جو زیرِ کماں ہیں

کیا جانئے کیا ہم سے ہوا جُرم یہ سنگیں
کیوں خون کئے ڈالتے ہم کو رمضاں ہیں

شہباز یہ تحریر نہیں سینہ زنی ہی
ہر چند محرّم نہیں ہم مرثیہ خواں ہیں

بھوک کا جلال

خدا کی یاد دلوں سے بھلا رہی ہی بھوک
ہر اہلِ فقر کو شیطاں بنا رہی ہی بھوک

ہر ایک عضو پہ نازل ہی اک عذاب الیم
ہمیں تو پیٹ میں دوزخ دکھا رہی ہی بھوک

ہوا زمانہ کہ تلّی کو چکھ گئی تل کر
کباب کر کے جگر اب تو کھا رہی ہی بھوک

جو پہلے پانوں میں تھا اب وہ سر میں ہی چکّر
پھرے ہیں بخت، تو اب سر پھرا رہی ہی بھوک

لگا رہا ہی پڑا دل میں آگ دیپک راگ
جو بیٹھی کانوں میں ہمکو سُنا رہی ہی بھوک

پڑی ہوئی ہی تزلزل میں کھوپڑی کی چھت
کڑی کڑی میں پڑی گھُن لگا رہی ہی بھوک

ہمارے گوشت کی رُوئی دھنک کے رکھ دی بگی
نسوں کی تانت کماں پر چڑھا رہی ہی بھوک

ہماری آنکھوں میں چھایا سماں ہی آندھی کا
فضائے سر میں بگولے بنا رہی ہی بھوک

عجیب طرح کی لیتا ہی یہ کہ گوشت کو چھوڑ
ہر ایک عضو کی ہڈّی چبا رہی ہی بھوک

تڑپ رہی ہی پڑی قلب میں نری بجلی
گھٹا کی طرح سے آنکھوں میں چھا رہی ہی بھوک

لئے ہی ہاتھ میں اک اضطراب کی مقراض
حواس و ہوش کے پُرزے اُڑا رہی ہی بھوک

جو دیکھو آن کے قارورہ صاف کر ڈوا انیل
مثالِ گردوں میں بھی رنگ لا رہی ہی بھوک

ہی انتڑیوں کو بھی اب درس قُل ہو اللہ کا
نرالی ہمکو قرأت سُنا رہی ہی بھوک

پڑے جو آنکھوں میں حلقے وہی ہیں حلقۂ گوش
غلام شاہِ نگہ کو دکھا رہی ہی بھوک

مچی ہوئی ہی دھما چوکڑی قیامت کی
دل و دماغ میں اودھم مچا رہی ہی بھوک

کھلاؤ جیسے بنے ہو حرام چاہے حلال
تقاضے سخت ہیں اور جان کھا رہی ہی بھوک

ہی یہ خیال غلط سنسنا رہا ہی بدن
سموم بن کے پڑی سنسنا رہی ہی بھوک

اُڑا نہ کان کے پردے مچا کے بھوک کا غُل
کہ آپ اپنے یہاں ہوش اُڑا رہی ہی بھوک

ہر اک زباں پہ ہی شہبازؔ نعرۂ فی النار
نکل کے پیٹ سے دوزخ کو جا رہی ہی بھوک

مولانا شہباز کے روشن خیالات

شبِ قدر

مشہور زمانے میں جوانی ہے دوانی — ہے بال پریشاں ہوں اگر رات ڈرانی
پڑھ لکھ کے اگر قدر کچھ اس رات کی جانی — لکھ رکھو یہی پھر ہے شبِ قدر کی ثانی
سرِ عرش ہے انجم آنکھیں، نظر نور فشانی
ہر شب شبِ قدر ست اگر قدر بدانی

ہیں میز پہ رکھی جو سیاہی کی دواتیں — گر غور سے دیکھو تو ہیں سمٹی ہوئی راتیں
ان راتوں میں گر سیکھ لو تم علم کی باتیں — ذاتیں ہیں تمھاری بھی فرشتوں ہی کی ذاتیں
پھر آنکھوں میں سب کی ہو تمھیں یوسفِ ثانی
ہر شب شبِ قدر ست اگر قدر بدانی

اوراق کے صفحوں پہ کہاں کُحل کتابت — اطباقِ سمٰوات پہ چھائی ہے یہ ظلمت
ہو قدر تو ہے صاف شبِ قدر کی حالت — جھکتے ہیں پڑے نخل گماں قصرِ جہالت
ہر بات ہے انواعِ سعادت کی نشانی
ہر شب شبِ قدر ست اگر قدر بدانی

زلفیں وہ کسی دوش پہ ہیں مشک نہ عنبر — راتیں برکت کی ہیں ستارے ہیں وہ زیور
جھکنے میں عقیدت کے ہیں سرِ دل کے صنوبر — گر قدر ہو، عرفاں کے کھلے یاں بھی ہیں دفتر
افسوس ہے لیکن، سرِ مو قدر نجانی
ہر شب شبِ قدر ست اگر قدر بدانی

رحمت کی نئی شب ہے پہاڑوں کی سیاہی — شبنم میں ہے تاروں کی چمک خواہی نخواہی
ہیں نخل جھکے یاں تو وہاں قلعہ شاہی — سمجھو تو یہ سب دیتے ہیں قدرت کی گواہی

قدرت کی زباں کہتی ہے ما اعظم شانی
ہر شب شبِ قدرست اگر قدر بدانی

ظلمات نہیں بحر کی یاں بھی ہے وہی شب
لہروں کی چمک جھٹنی ہے افلاک پہ کوکب
ساحل نہیں ہے غرقِ عرق رہروں کا مشرب
کرتے ہیں وضو پیڑ نہاتے ہیں مکاں سب
مصروفِ تلاوت ہے وہ پانی کی روانی
ہر شب شبِ قدرست اگر قدر بدانی

گھنگور گھٹا چرخ پہ کب چھائی ہوئی ہے
بجلی یہ کہاں رعد کی تڑپائی ہوئی ہے
کب بادسے پیڑوں کی جبیں سائی ہوئی ہے
تاروں بھری ہے دن کو شبِ قدر آئی ہوئی ہے
گردن ہے کھمبیں فرضِ اطاعت کی جھکانی
ہر شب شبِ قدرست اگر قدر بدانی

ہو وصل کی شب خواہ جدائی کی وہ ہو رات
دونوں ہیں یہیں خضر دکھادیتے ہیں ظلمات
وہ جبں سے کہ روشن ہو شبِ قدر کی آیات
اس چشمِ حقیقت کی بھی شہبازؔ ہے کیا بات
پتلی نہیں اک نور کی ہے لعل فشانی
ہر شب شبِ قدرست اگر قدر بدانی

حضرت شہبازؔ کے رنگین خیالات

مسی

لال لب۔ اودی مسی سب رنگ اکھٹے ہو گئے
دیکھکر یہ رنگ سب کے دانت کھٹے ہو گئے

بناؤ ہیں گلوں کی سرنگیں نرگس ہی کیا ہوں؟
مجھی سے مجلس حیراں، مجھی سے مجلسیں حیراں
اڑاتا ہے مجھے رڈر روڈ پہ فارس تبسّم کا
نہیں ملتا گانٹھ بس کی۔ گرچہ ہوں میں گانٹھ سی بس کی
صبر [illegible] دھنک ہیں۔ جوڑا ہی گو خاکستری میرا
نظر جس جس پہ جائے۔ آئی ہے وہ پھر حصے میں
مزے میں گدگدی میں۔ رمز ہیں۔ رنگ ہیں، تو میں
[illegible] لقیس روح اول ثانی و ثالث بھویں آنکھیں
اگر [illegible] نوش روح رابع۔ دونوں لب خامس
دہن کے قول ہر بات ہے [illegible] میں یہ تو روشن ہے
ہدایت سے مری بڑھتی ہیں فوجیں ناز و غمزے کی
مری چٹکی تلے سارا سیاہی کا ہے آفس ہے
کنی ہیرے کی ہیرا کھائے، موتی سنکھیا چاٹے
قلم ہوتے ہیں سر اعدا کے لاکھوں ایک جنبش میں
نہ گر رنگ ہے سرسبزی اک حسن کی ڈگری
کسی [illegible] گرچہ کس فروزی [illegible] فروشی پہ
[illegible] شام ہوں یا شام اودھ ہیں قس علی ذلک
[illegible] ہیں نگلیں [illegible] اڑاتی ہوں
[illegible] ہی ہیں [illegible] لونگ کی
[illegible]

لب ہوں سن سے پھولوں کے دہن کس سی ہوں کیا ہوں؟
ہر آئینے میں ہیں حیرانی مجلس سی ہوں کیا ہوں؟
عبیر افشاں سڑک پہ مشکی فارس سی ہوں کیا ہوں؟
نہیں گٹھڑی میں گو کڑوی کسیلی بس سی ہوں کیا ہوں؟
امیری رنگ ہیں ہر چند پہ مفلس سی ہوں کیا ہوں؟
فکی احسن ہوں۔ ہوا بیٹھا ہے میرے گو بے حس سی ہوں کیا ہوں؟
میں ہر کال جانے [illegible] ہر حس سی ہوں کیا ہوں؟
ہیں سب بعد ازاں لب اور یہ میں خامس سی ہوں کیا ہوں؟
میں اس خامس کی بیت کے لئے سادس سی ہوں کیا ہوں؟
مگر تم یہ بتاؤ عقلی ہوں یا حسّی ہوں کیا ہوں؟
ہے میری پان [illegible] وا آفس سی ہوں کیا ہوں؟
سیاہی میں ہیں ڈوبی اب تو ہے آفس سی ہوں کیا ہوں؟
مذاق رشک میں ہیں زہر سی ہوں بس سی ہوں کیا ہوں؟
قلمدان سخن میں جا تو ہے راجس سی ہوں کیا ہوں؟
وگرنہ محکمے میں عشق کے ڈسمس سی ہوں کیا ہوں؟
کسیس اس کو نہ سمجھو دل میں ہوں چوکس سی ہوں کیا ہوں؟
اودھ تفصیل اجمال ہے خلاصہ [illegible] سی ہوں کیا ہوں؟
دہن کے کورٹ میں ہیں وسٹنس سی ہوں کیا ہوں؟
ولایت [illegible] کی سول سرجن سی ہوں کیا ہوں؟
خدا جانے [illegible] سی ہوں کیا ہوں

لب رنگوں کے پیارے ہاتھ سے رندوں میں بٹتی ہوں
ہر اک چٹکی پہ دو تو لعل لوں اں بتیس لوں موتی
ہیں نگیں لعل کی خاتم پہ مینا کاریاں میری
مصائب کا سماں ہے شام کی باتوں میں کھنچ جاتا
بُھاتی لالہ موتی لال کو ہوں اپنے پہرے میں
کھڑی کر دیتی ہوں آنکھوں کے آگے پدمنی لاکر
جماتی ہوں بساطِ حسن پہ بتیس مہروں کو
سوال ہر دس کلب ہے میرے گھر میں عشق بازوں کا
ہے ہوں خاموش پھر بھی [illegible] آنکھوں آنکھوں میں
مرے آگے کسی کی تیز طبعی چھپ نہیں سکتی
میں چھبتی سانپ کی کہتی ہوں انگشتِ شہادت پر
کبھی کانِ جواہر ہوں کبھی جوہر ہوں آہن کا
سیہ کاری مری چھائی ہے نارضی کے ہونٹوں پر
پڑا ہے مجھ پہ سایہ مس کا۔ گو بھاگیں وہ سائے سے
نہ میرا پاپا نیکی ہے۔ نہ میرا پاپا منکی ہے
برابر چومتے ہیں مجھ کو آکر گورے اور کالے

گزک ہوں میں مزے کی گو جلے کٹلس سی ہوں کیا ہوں؟
نہایت قیمتی ہوں گرچہ پوں ڈامس سی ہوں کیا ہوں؟
ڈلگ ہیں گو نہ سونے کو نہ رنگیں مس سی ہوں کیا ہوں؟
مصیبت کے بیاں میں حضرتِ مونس سی ہوں کیا ہوں؟
پہن کر کوٹ کالا اصفہانی پولس سی ہوں کیا ہوں؟
دمِ جادو نگاری شاعرِ جالیس سی ہوں کیا ہوں؟
کلب میں عشق کے تفریح کو میں جس سی ہوں کیا ہوں؟
تکلف کے ڈنر دینے میں حاتم مس سی ہوں کیا ہوں؟
لبوں کے بیچ پردہ مصرعہ مالیس سی ہوں کیا ہوں؟
کہ نیوتا لیتی ہوں [illegible] کس سی ہوں کیا ہوں؟
زباں جس کی شرکت سے لبوں کی ہس سی ہوں کیا ہوں؟
ہملٹن سی کبھی ہوں اور کبھی اجس سی ہوں کیا ہوں؟
اٹھا سکتی نہیں سر شرم سے نا کس سی ہوں کیا ہوں؟
مسوں میں سایہ مس کی بدولت مس سی ہوں کیا ہوں؟
نہ گوری مس سی ہوں کیا ہوں نہ کالی مس سی ہوں کیا ہوں؟
نہیں گو کالی مس سی پھر بھی کالی مس سی ہوں کیا ہوں؟

پتا میرا یہ ہے شہباز ہوں زینت کی چیزوں میں
بتاؤ، عطر، مہندی، سرمہ، کاجل، مسّی، کیا ہوں؟

ترکیب بند مرثیہ سرسیّد احمد خاں مرحوم

از خیالات

مولوی سیّد عبد الغفور صاحب شہباز پروفیسر سائنس اورنگ آباد کالج

زمانے میں یہ غل ہے کس لیے شور و فغاں کیوں ہے
گلہ کیوں ہے شکایت کی لبوں پہ داستاں کیوں ہے

فغان و شور میں یوں رفتہ رفتہ کیوں ترقی ہے
تزلزل میں اثر سے اُس کے کل ہندوستاں کیوں ہے

تحیّر میں کھڑے ہیں کس لیے دیوار و در یکسر
عیاں ہر ایک روزن سے نگاہِ خوں چکاں کیوں ہے

کروڑوں ہاتھ یوں ماتم کو کیوں اُٹھتے ہیں سینے تک
ہماری قوم کے سینے میں مضطر آج جاں کیوں ہے

ہماری آہ میں آئی ہے کیوں یہ رعد کی قوت
ہمارے قلب میں بیتابیِ برقِ طپاں کیوں ہے

وہ ایسا کونسا گھر ہے لگی ہے آگ یہ جس میں
زمیں سے آسماں تک سر بسر پھیلا دھواں کیوں ہے

وہ ایسا کونسا خرمن ہے جس پہ یہ گری بجلی
یہ بیتابی سے ہر خرمن میں دہقاں نوحہ خواں کیوں ہے

بہا کر لے گیا کس شہر کو سیلِ فنا آخر
یہ سیلِ گریہ اب ہر شہر میں طوفاں نشاں کیوں ہے

جہاز اپنا مسلسل کس لیے یوں ڈگمگاتا ہے
شکستہ کیوں ہے یوں لنگر پھٹا یوں بادباں کیوں ہے

مسلسل گریہ و زاری یہ کیوں ہے آبشاروں میں
تلاطم کیوں ہے دریا کو پہاڑ آتش فشاں کیوں ہے

گہن میں آ پڑے ہیں خود بخود یہ چاند سورج کیوں
یکایک اس طرح بگڑا قوامِ آسماں کیوں ہے

اندھیرا یاں سے واں تک کس لئے دنیا میں چھایا ہے
نقابِ شب میں دن کو منہ چھپائے یوں جہاں کیوں ہے

بلا یہ تو نظر آتی ہے ہر جنجال سے بڑھکر
گہن سے، کال سے، طاعون سے، بھونچال سے بڑھکر

سنا تم نے نہیں کیا، مرگئے سرسیّد احمد خاں
ستم تازہ یہ ہم پر کر گئے سرسیّد احمد خاں

وہ غم جو سرِ رستم کے اٹھائے اٹھ نہیں سکتا
وہ اک کمزور سر پہ دھر گئے سید احمد خاں

کیا تھا رفتہ رفتہ دل کو اپنے غم سے کچھ خالی
اسے پھر اپنے غم سے بھر گئے سید احمد خاں

ڈرانے سے بھلا وہ موت کے کب ڈرنے والے تھے
ہماری بیکسی سے ڈر گئے سید احمد خاں

رہے بھی تو بہت مضطر رہے قومی مصیبت پر
گئے بھی تو بہت مضطر گئے سید احمد خاں

بھرے اب کون دم اس کا ہی ٹیڑھی کھیر ہمدردی
یہ دم سیدھی طرح کچھ بھر گئے سید احمد خاں

تصدق اس محبت کے کہ اپنی قوم کے سر پہ
تصدق دین و دنیا کر گئے سید احمد خاں

زمین خود آج ہی زیر سما اس بات کی شاہد
سما زیر زمیں لے زر گئے سید احمد خاں

کریں آنکھوں سے اپنی دیکھ کر عین الیقیں حاصل
خدا بخشے خدا کے گھر گئے سید احمد خاں

ملے اس جوہر قابل کو شاید عرض کا موقعہ
غرض بن کر سوئے جوہر گئے سید احمد خاں

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد لوگ کہتے ہیں
مگر لے واں بھی دردِ سر گئے سید احمد خاں

پلا کر ایک جرعہ قومِ مردہ کو جلا سکتا
یہ کہتے جانب کوثر گئے سید احمد خاں

وہ سید کہ جن کی دھوم تھی مشرق سے مغرب تک
وہ سید کہ جن کی دھاک تھی لندن سے یثرب تک

رکھیں گے قدسیوں کو غم سے یہ اپنے حزیں برسوں
رہیگا زلزلے میں آہ سے عرش بریں برسوں

نہ چھوڑیں گے وہ ہمکو دیکھنا حسرت سے مڑ مڑ کر
رہے گی قوم کی جانب نگاہِ واپسیں برسوں

یہ مٹتے ہی مٹے گی دل سے ان کے قوم کی الفت
رہے گا نقش یہ حسرت فزا زیب نگیں برسوں

نہ دیکھیں گی توجہ ان کی جب اپنی طرف مطلق
رہیں گی وقفِ حیرت عشوہ پرور حور عیں برسوں

کہیں جنت میں جا کر دل پر ان کے فتح پائے گی
لگائیں گی نگاہِ حور و غلماں جب کمیں برسوں

نظر آئے گی ان کی آنکھ میں ڈستی ہوئی ناگن
بہشتی نہر میں موجِ شراب و انگبیں برسوں

دلا کر یاد اجڑنا باغ کا قومی ترقی کے
خزاں کی طرح کھٹکے گی بہار یاسمیں برسوں

اٹھا بٹھلائے گی ہر بار قومی کام کی عادت
چڑھے اترے گی سو سو بار ان کی آستیں برسوں

ٹہلنا اُسکا قومی فکر میں جنت کے کمروں میں
خرامِ ناز کی صورت رہیگا دلنشیں برسوں
دکھا کر آب و تاب اسٹفن کی نیلی سیاہی کی
بیاں حسرت کے لکھوائے گی زلفِ عنبریں برسوں
سفارش قوم کی پھر جس گھڑی مدِّ نظر ہوگی
رہیگی اک ادا سے وقف سجدے میں جبیں برسوں
پھر آخر عود کی حسرت زدہ آواز سے ملکہ
زمانے کو سنائی دے گی یہ صوتِ حزیں برسوں

"مجھے اے قوم تیرا ہجر اب ایسا ستاتا ہے
کہ دشمن بھی مرے احوال پر آنسو بہاتا ہے"

تحیّر سب کو ہے ہاں سین حیرت ریز جنّت میں
کہ گھس آیا کدھر سے آج ایک انگریز جنّت میں
ٹہلتا ہے عجائب شان سے کچھ سوچ میں اپنے
لگائے بوٹ میں سونے کا ایک مہمیز جنّت میں
سلیقے سے کھلا ہے باغ میں تہذیب کے لالہ
دلِ پُر داغ کی تصویر ہے یہ فیز جنّت میں
ہوئے تر رومال حوروں کے اگر قومی مصیبت پر
کھڑا ہو کر یہ دے اسپیچ آفت خیز جنّت میں
جدھر دیکھو اُدھر چھٹتے ہوں ہمدردی کے فوّارے
سنائے داستاں گرما کے درد آمیز جنّت میں
کمر قومی مدد پر باندھ لیں روحیں مقدس کل
کرے تقریر قومی گریہ جوش انگیز جنّت میں
ہوئے تھے جسقدر چھوٹے بڑے تکفیر کے فتوے
سب اسکی ستمگاری کے ہیں دست آویز جنّت میں
عجب کیا پاس اپنے خیر و برکت کے خطوط آئیں
گھسیٹی اُس نے اک کرسی لگی وہ میز جنّت میں
چلا جاتا ہے کاغذ پہ نہ رکتا ہے نہ تھمتا ہے
قلم اسکا ہے بجلی سے زیادہ تیز جنّت میں
پسند اس کو ہے کب تنہا خوری اس کی بلا جانے
کہ تا گلستاں کہاں ہے ہے کدھر فالیز جنّت میں
جدا ہوتی نہیں اسکی نظر سے قوم کی تصویریں
لقب اس کا پڑا ہے خسرو پرویز جنّت میں
جو قومی ہجر کا بن بھر رہا ہے اُس کی آنکھوں میں
یہ مجنوں کی طرح ہر دم ہے شور انگیز جنّت میں

قرار اصلا نہیں ہے عاشقِ بیمار کی صورت
شرارہ عشق سے ہے دل کی لیڈن جار کی صورت

وہ سر سید کہ جس کا سر نہ تھا، تھا عقل کا مخزن
وہ سر سید کہ جس کا دل نہ تھا، تھا خلق کا معدن

وہ سرسید کہ جس کی دوربیں پرخوض آنکھوں میں
وہ سرسید برہمن آنکھ پر جس کو بٹھاتے تھے
وہ سرسید کہ جس کا ناطقہ بزمِ بلاغت میں
شجاعت کی اگر تقریر کرتا تھا سلیقے سے
بناتا تھا کبھی جب قوم کو مُردہ تو رقت سے
زباں چلتی تھی جیسے تیغ چلتی ہو سپاہی کی
قلم اُس کا بعینہ کام کرتا تھا کلمبس کا
برابر دوڑتی رہتی تھی غور و فکر کی بجلی
اسی سے داد پاتے تھے خیالاتِ معقّالی
مسلسل غُل سے کل رسمی سلاسل کر دیے ساقط
وہ سرسید کہ جس کی نوکِ خامہ کے اشارے سے

بصیرت کی شعاعوں سے تھیں دونوں پتلیاں روشن
سمجھ کر دیوتا تعلیم کا کرتے تھے سب درشن
بجاتا تھا عجائب نشان سے تقریر کا ارگن
تو پیہم بولنے لگتا تھا میدانِ سخن میں رن
بہا دیتا تھا دریا آنسوؤں کا بر سرِ مدفن
کسی کا اُڑ گیا پہنچا کسی کی کٹ گئی گردن
کتاب اُس کی نئی دنیا خیالات اس کے امریکن
کبھی نیویارک میں تڑپی کبھی چمکی وہ جالندن
ادھر چاسر اُدھر کپلر ادھر ملٹن اُدھر نیوٹن
ہوئے آزاد شرعی طور سے مذہب کے افریقن
سمٹتے ہی چلے آتے تھے دنیا بھر کے علم و فن

حدیث و فقہ و تفسیر و کلام و فلسفہ حکمت
حساب و جبر و اقلیدس طبیعی کیمیا ہیئت

وہ سرسید کہ جس کی زندگانی زندگانی تھی
بدن میں قوم کے تھا جو بعینہ قلب کی صورت
وہ بھیجے کی طرح اعصاب زا تھا قوم کے سر میں
رگ و پے میں کبھی وہ دوڑتا تھا خون کی صورت
عیونِ قوم کی پتلی اُسی کی خوش نگاہی تھی
مچا رکھی تھی اُس نے ہند میں اک لوٹ چندے کی
گورنر و ویسرائے اُس سے برابر رائے لیتے تھے
اُسی کے دم سے سالانہ تھے علمی میہماں آتے

حیات اُس کی ہماری زندگانی کی نشانی تھی
بھلائی میں تمام اعضا کی جس کی جانفشانی تھی
کہ جس سے جس کی ازسرتا بہ پا ریشہ دوانی تھی
رواں پرور رواں آسا کبھی اُس کی روانی تھی
لسانِ قوم کی بولی اُسی کی خوش بیانی تھی
بجا اُس کے تطاول سے نہ راجہ تھا نہ رانی تھی
اُسے حکّامِ والا پر بھی حاصل حکمرانی تھی
اُسی کے دم سے سالانہ وہ علمی میزبانی تھی

عیاں رہتا تھا ٹیبل ٹاک سے تہذیب کا لہجہ
مہذب بذلہ سنجی تھی مہذب شعر خوانی تھی
خرد لب ریز تھی تحریک جامِ تندرستی کی
گلاسوں سے اُبلتی عقل زا جادو بیانی تھی
یہ وہ لوتھر تھا جس کو عقل کل تھی عیسیِ دوراں
یہ وہ اکبر تھا جس کو صلح کل مریم زبانی تھی
وہ لفظوں کا شناور ہفت قلزم پار اُتر جاتا
وہ معنی کا سمندر جس کی مشکل تھاہ پانی تھی

اثر اعجاز کا تھا اُس کے درد انگیز نالے میں
خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

ہماری قوم ہمت ہے یہ ہمت یادگار اُسکی
اگر ہے صبر ہے خود یہ مصیبت یادگار اُس کی
مناسب ہے کریں پوری عمارت صرف ہمت سے
کہ کالج کی تا پوری عمارت یادگار اُس کی
رہے گی جب تلک اُردو زباں ہے ہند میں رائج
فصاحت یادگار اُسکی بلاغت یادگار اُس کی
نہیں آیا شریعت کوئی ثانی لے کے دنیا میں
شریعت میں رہے گی ایک جدت یادگار اُس کی
پڑھانا چاہتا تھا رات دن اپنوں کو غیروں سے
رہیگی خویش و بیگانے میں غیرت یادگار اُس کی
ابھی تھا بو علی رازی ابھی تھا نیوٹن و کیپلر
رہیگی مدرسوں میں عقل و حکمت یادگار اُس کی .
بنا کر قوم کو بت اُس کی مسجد میں عبادت کی
رہیگی بت پرستوں میں یہ بدعت یادگار اُس کی
ظرافت میں بھی وہ کرتا تھا یاروں سے متیں باتیں
متانت میں رہے گی یہ ظرافت یادگار اُس کی
وہ کہہ دیتا تھا حق ہرچند موت اُس کو ڈراتی ہو
رہیگی موت کو بھی یہ جسارت یادگار اُس کی
فریقوں میں پڑے سے تھے تفرقے جتنے مٹا ڈالے
یہ کل فرقوں میں ہے آپس کی ملت یادگار اُس کی
کیا تھا اُس نے پھر ایجاد اُس دینی اخوت کو
رہیگی حسنِ ایجادِ اخوت یادگار اُس کی
دلوں سے اُسکے احساں کا تصور مٹ نہیں سکتا
یہی قائم رہیگی تا قیامت یادگار اُس کی

یہ کیا لازم کہ کچھ سنگیں سلوں کی یادگاریں ہوں
جہاں سینوں میں یوں نگیں دلوں کی یادگاریں ہوں

اگرچہ غم ہے بہار فرسا مگر اب غم سے کیا ہوگا
کرو اب صبر یارو نوحہ و ماتم سے کیا ہوگا

نہ اس سے دل کی کچھ تسکین نہ ٹھنڈک اُس سے آنکھوں میں
درونِ نالہ پرور دیدۂ پُرنم سے کیا ہوگا

لگاؤ زخم پر مرہم جو چاہو زخم اچھا ہو
لگانے سے جو بھاگو گے تو پھر مرہم سے کیا ہوگا

شفا چاہو تو ہیں اب بھی ہزاروں عیسیٔ مریم
نہ چاہو جب بھی تو عیسیٔ مریم سے کیا ہوگا

جو قومی کام کرنا ہے تو یہ کم ہمتی چھوڑو
زیادہ بھی یہاں کم ہے بھلا اس کم سے کیا ہوگا

ہمیں درہم ہی دو، ہم کو نہیں دینار کی خواہش
مگر دے تو چکو، پھر پوچھنا درہم سے کیا ہوگا

چمن وقتِ سحر ہر روز کیونکر جگمگا اُٹھے
اگر پوچھا کریں گل قطرۂ شبنم سے کیا ہوگا

تمھی سے ہاتھ پانو اُس کے تھے سب کام کرتے تھے
غلط سمجھے ہو گر سمجھے ہو تم اب ہم سے کیا ہوگا

ہلاؤ ہاتھ پا تو اپنے تمھی ہو وقت کے رستم
ہلائے گر نہ دست و پا تو پھر رستم سے کیا ہوگا

دکھا سکتے ہو اب بھی اپنی قدرت اہلِ عالم کو
مگر دل پر تو رکھو قدرت و عالم سے کیا ہوگا

یہاں ہے زر کی حاجت جس طرح دلواؤ جتنا دو
حصول اس مدعا کو بحثِ کیف و کم سے کیا ہوگا

یہی ہے یادگار اُس کی، کرو کالج کو مستحکم
بنائے یادگارِ غیر مستحکم سے کیا ہوگا

عمارت علم کی ہے عرش تک اس کو اُٹھا چھوڑو
مسلمانو، اسے تعلیم کا کعبہ بنا چھوڑو

زیادہ اب نہ دل میں قوم کے اعیان پریشاں ہوں
مناسب ہے تلافی کے بھی اب کچھ جمع ساماں ہوں

نہ ہوں مایوس خوش ہوں آیۂ لا تقنطوا پڑھ کر
پڑی ہیں مشکلیں جتنی یقیں ہے سب وہ آساں ہوں

یَشُدُّ بَعضُہ بَعضاً کی مگر شان دکھلائیں
مشید تاکہ اس قومی عمارت کے سب ارکاں ہوں

کدھر ہیں شبلیِ دانا کہاں ہیں حالیِ خوش گو
یہی ہے بحرِ تدارک، باغِ قومی میں غزلخواں ہوں

کدھر مشتاق ہیں مشتاق ہیں اُن کی بھی سب آنکھیں
کدھر محمود ہیں اُٹھا ہی محمودِ دوراں ہوں

کہاں ہیں آفتابِ علم مولانا نذیر احمد
شعاعِ صبحِ وفا کی شرقِ ہمدردی سے تاباں ہوں

سمیع اللہ خاں صاحب بھی آئیں گر وہ سنتے ہوں
کہ تیغِ صبح اُٹھ کھڑے تا مولوی مہدی علیخاں ہوں

یہ وہ دونوں ہیں جو تھے سید احمد خاں کے دو بازو
عجب کیا عالمِ علوی میں بھی وہ اتنے نازاں ہوں

بھلا دی جائیں شاہاں ہی گذشتہ سرگذشتیں کل
مضامین کہن بیا ہی زیب طاق نسیاں ہوں
اکھاڑے میں عمل کے انتظامی زور دکھلائیں
بڑھیں میدان میں علمی قدم سے گرم جولاں ہوں
کریں چندے فراہم اس طرح دامن میں ہوں ان کے
گرہ میں جسقدر خورشید کے لعل بدخشاں ہوں
ہو یونیورسٹی چندے سے پھر اس شان کی قائم
کہ یورپ کے بھی سب جس سے دبے قومی دبستاں ہوں

علی گڑھ میں جو دار العلم کی برپا عمارت ہو
ولایت ہند کی بھی کیا عجب شاک ولایت ہو

قوی سے فعل کے عالم میں گر یہ یادگار آئے
مبارکباد کو دوڑا ہوا خود روزگار آئے
خزاں آئی ہوئی پھر جائے دروازے سے گلشن کے
نکالے ایک گھونگھٹ چمن میں پھر بہار آئے
گلے میں ہر شجر کے ہو پڑی پھولوں کی اک بدّھی
چمن میں آئے جو بوٹا لیے پھولوں کا ہار آئے
لپٹ پھولوں کی جائے آسماں تک کیاری کیاری سے
پھلوں کے بوجھ سے جھک کر زمیں تا شاخسار آئے
نظر جس پیڑ پر ڈالیں دکھائے قد وہ بوٹا سا
نگہ جس پھول پر جائے نظر وہ گلعذار آئے
نئی سرسبزیوں سے شاخ پر ہو جلوہ گر طوطی
ہزاروں خوبیوں سے کان میں صوت ہزار آئے
چمن میں میکدے کھل جائیں عقل و ہوشیاری کے
جہاں انساں اگر بیہوش جائے ہوشیار آئے
وہ مے ہو جس کے ہر جرعے سے تقوی کو طہارت ہو
وہ جرعہ ہو حرم میں جس کا نام جرعہ خوار آئے
ہو مستی پر نہ وہ ہو سر سے جس کے درد سر چمٹا
نشہ ہو، پر نہ وہ لپٹا ہوا جس سے خمار آئے
یہی جنت وہ ہی جس میں کہ خوش ہو روح سر سیّد
یہیں ٹھہرے تو اس کے قلب مضطر کو قرار آئے
نہ ہو شاداب امّت کی ترقی کا چمن جب تک
پسند اس کو کہاں جنت کا باغ خوش بہار آئے
رکی جب اس چمن میں ہو ہوا قومی ترقی کی
تو پھر اس باغ میں کیونکر نسیم خوش گوار آئے

اگر یہی قوم کو راحت تو سیّد کو بھی راحت ہی
یہاں بھی اس کو جنت ہی وہاں بھی اسکو جنت ہی

الٰہی سیّد احمد خاں کو بزم خاص میں جا دے
تجلی گاہ قدرت کا تماشا اس کو دکھلا دے

بساطِ قرب پر تو اس کو ماذون الشفاعۃ کر
وہی ہو جائے جو چاہے وہ اپنی قوم کی خاطر
جگا دے انکو جو ہوں غرقِ غفلت میں پڑے سوتے
اگر ہوں ڈوبتے منجدھار میں بٹھلا دے ساحل پر
نہیں وہ چاہتا شاخیں جھکا دے سیب و رمّاں کی
نہیں وہ چاہتا لحمِ طریٰ کی گزک آگے
نہیں وہ چاہتا آنکھوں کے آگے حور کا جلوا
نہیں وہ چاہتا خدمت کو ہر دم نازنیں غلماں
وہ عاشق قوم کا ہی قوم کو اُسکی وہ دے دولت
وہ شیدا ملک کا ہی ملک کو اُس کے وہ دے ثروت
جہاں ہیں عاشقانِ قوم اُس جا اُسکو دے کرسی
دکھا حوروں کے جھرمٹ میں بزیور باغ و چمن اُس کو

عطائے خاص سے ہمت میں اُس کی زور اتنا دے
خزانوں سے تری رحمت کے جو چاہے وہ دلوا دے
جو بیٹھے اونگھتے ہوں کاہلی سے اُنکو چونکا دے
بھٹکتے ہوں اگر میدان میں منزل پہ پہنچا دے
نہیں وہ چاہتا شیرۂ عنب کا منہ میں ٹپکا دے
نہیں وہ چاہتا شہد و لبن سے جام چھلکا دے
وہ بجلی جو تڑپ کر قلب کو سینے میں تڑپا دے
کہ جن کے عارضِ رنگیں کو رغبت بڑھ کے بوسا دے
کہ جو دونوں جہاں میں لے کے سکہ اُس کا بٹھلا دے
کہ یکساں جو پرانی اور نئی دنیا کو چکرا دے
یہ کیا لازم کہ واں بھی صحبتِ ناجنس ایذا دے
الٰہی عاشقوں میں تو بنا صدرِ انجمن اُس کو

پروفیسر شہباز کے خوش طرز مدحت طرازانہ خیالات

(مناظرۂ ابر و بحر)

ابر و بحر آورد گوہر از صدف
گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

(۱) تمہید

ٹھنڈی ٹھنڈی چمنِ دہر میں چلتی ہے ہوا
مطلع مین پہ خوبی سے نمایاں ہے سُہیل

ہو مبارک کہ مئی ختم ہوئی جون آیا
خوب برسات کا ہے اب تو ستارہ چمکا

روشنی چاند ہی کی سامنے اس کے نہیں ماند
نظر آتا نہیں سورج بھی ہے دھندلا دھندلا

اک طرف بحر زمیں پر ہے فلک پر ہے ابر
گر نظر ہو تو ہے دلچسپ تھیٹر دنیا

گر ادھر بحر کی رگ رگ میں جوانی کا ہے جوش
تو ادھر ابر کا جوبن بھی ہے امڈا امڈا

بحر غصّے میں نہ کیوں رعد کی صورت گرجے
ابر غصّے میں اگر برق کی صورت لپکا

خشمگیں یہ ہے، تو ہیں اس کے بھی تیکھے تیور
بحر کے منہ پہ ہے کف ابر ہے نیلا پیلا

منہ اندھیرے سے لڑائی ہے بلا کی قائم
رات کے بھی تو چکائے نہیں جھگڑا چکتا

(۲) مناظرہ

ابر کہتا ہے چڑھے، تو بھی ہوں تجھ سے بڑھ کر
بحر کہتا ہے بڑھے، تو بھی وہ ہی تو ہے گھٹا

ابر کہتا ہے کہ مٹھی میں ہے میری ندّی
بحر کہتا ہے کہ قبضے میں ہے میرے مونگا

ابر کہتا ہے کہ دامن میں ہے میرے موتی
بحر کہتا ہے کہ پاکٹ میں ہے میرے مونگا

ابر کہتا ہے کہ خوش رنگ ہے میرا نیلم
بحر کہتا ہے کہ خوش آب ہے میرا ہیرا

ابر کہتا ہے کہ بارش ہے مری گوہر پاش
بحر کہتا ہے کہ ریزش ہے مری گوہر زا

ابر کہتا ہے میں ہوں نامیہ کی نام و نمود
بحر کہتا ہے میں ہوں نامیہ کی نشو و نما

ابر کہتا ہے کہ سرسبز ہے مجھ سے جنگل
بحر کہتا ہے کہ سیراب ہے مجھ سے صحرا

ابر کہتا ہے کہ دھرتی پہ ہے میری کھیتی
بحر کہتا ہے کہ کھیتوں میں ہے میرا غلّا

ابر کہتا ہے کہ ٹٹی پہ ہیں میری بیلیں
بحر کہتا ہے کہ بیلوں میں ہے میرا گچھا

ابر کہتا ہے کہ صہبا ہوں، جو چاہے میکش
بحر کہتا ہے کہ امرت ہوں، جو مانگے پیاسا

ابر کہتا ہے میں آنکھوں میں نشے کا ہوں عروج
بحر کہتا ہے میں آنکھوں میں ہوں خود مری کی نشا

ابر کہتا ہے میں کاجل ہوں بصارت افروز
بحر کہتا ہے میں سرمہ ہوں بصیرت افزا

ابر کہتا ہے کہ مجھ سے ہے یہ سنبل مشکیں
بحر کہتا ہے کہ مجھ سے ہے یہ نرگس شہلا

ابر کہتا ہے کہ مجھ سے ہے گل لالہ لال
بحر کہتا ہے، ہے مجھ سے گل سوسن گویا

ابر کہتا ہی پھلی کی ہی مجھی سے تسبیح
ابر کہتا ہی کہ منہ میں میں ہوں کلیوں کے زباں
ابر کہتا ہی سُبک بار ہی میرا ہاتھی
ابر کہتا ہی کہ ہوں سایۂ سیروا فی الارض
ابر کہتا ہی تو پابند ہی میں ہوں آزاد
ابر کہتا ہی کہ اعلیٰ ہوں میں تو ہی اسفل
ابر کہتا ہی کہ پوتا میں ہوں دادا خورشید
ابر کہتا ہی کہ ہی باپ سے بیٹا بہتر
ابر کہتا ہی سلیماں کو میں ہوں تخت نموں
ابر کہتا ہی ملا برق سے گنجینۂ زر
ابر کہتا ہی کہ لے رعد کی آئیں توپیں
ابر کہتا ہی یہ لے برق کی نکلیں تمغیں
ابر کہتا ہی اُگلنے کو ہی گرداب لہو
ابر کہتا ہی تو بس خاک سے پیٹ اپنا بھر
ابر کہتا ہی کروں گا تجھے پانی پانی
ابر کہتا ہی اُڑا دوں ترے دم میں دھوئیں
ابر کہتا ہی نہ کر مجھ سے زیادہ بڑ بڑ
ابر کہتا ہی کہ شاید تری موت آئی ہی
ابر کہتا ہی کہ بجنے سے مرے ڈر تا رہ

بحر کہتا ہی پھلوں کا ہی مجھی سے سُبجا
بحر کہتا ہی ہوں کانوں میں میں پھلوں کے صدا
بحر کہتا ہی سُبک سیر ہی میرا گھوڑا
بحر کہتا ہی کہ ہوں عابر کُن فی الدنیا
بحر کہتا ہی گر آزاد ہو پابند ہوئی
بحر کہتا ہی تواضع سے ہی اسفل اعلےٰ
بحر کہتا ہی کہ میں باپ ہوں تو ہی بیٹا
بحر کہتا ہی کہ دادا سے ہی بہتر باوا
بحر کہتا ہی میں جمشید کو ہوں جام نما
بحر کہتا ہی لگا رعد کا بھی ہی دھڑکا
بحر کہتا ہی تو لڑکوں کو پٹاخوں سے ڈرا
بحر کہتا ہی تو بچّوں کو تماشا دکھلا
بحر کہتا ہی نگلنے میں ہی گرداب بلا
بحر کہتا ہی جیا چاہے تو جی پی کے ہوا
بحر کہتا ہی کروں گا تجھے قطرا قطرا
بحر کہتا ہی جُھکا دوں گا تجھے دم میں کُوا
بحر کہتا ہی کہ بس بس نہ زیادہ ٹرّا
بحر کہتا ہی کہ معلوم ہی چل ہٹ، اب جا
بحر کہتا ہی کہ خورشید کا پھیروں پنجا

ابر کہتا ہے لے اب اپنی خبر گردن کی
بحر کہتا ہے لے اب جان کی خیر اپنی منا

ابر کہتا ہے لے چت ہو گیا اب جان تو چھوڑ
بحر کہتا ہے تعلّی سے تو کر لے توبا

ابر کہتا ہے کہ ہے جوشِ ندامت کیا کم
بحر کہتا ہے ندامت ہے تو میں نے بخشا

ابر کہتا ہے کہ دھوکے سے گرایا تو نے
بحر کہتا ہے نیا تو نے یہ کھایا دھوکا

ابر کہتا ہے کہ اب تو نہیں ہوتا میں زیر
بحر کہتا ہے کہ چل جا، ابے جا جا، ابے جا

ابر کہتا ہے کہ جاؤں گا تجھے چت کر کے
بحر کہتا ہے کہ کچھ دیر ہوا کھا کے آ

ابر کہتا ہے کہ شیروں کو ہوا سے کیا کام
بحر کہتا ہے کہ گر شیر بھی ہے دُم کو دبا

ابر کہتا ہے کہ بیہودہ نہ کریوں تقریر
بحر کہتا ہے یہ ہے شیخیٔ بے جا کی سزا

ابر کہتا ہے کہ شیخی ہے دلیل ہمت
بحر کہتا ہے کہ شیخی ہی ہے شعارِ حمقا

ابر کہتا ہے کہ بُزدل نہیں شیخی کرتے
بحر کہتا ہے کہ ڈرپوک ہے شیخی خورا

ابر کہتا ہے کہ ہم تو نہیں تجھ سے ڈرتے
بحر کہتا ہے کہ دل میں تو ہے بیشک ڈرتا

ابر کہتا ہے کہ دل غیب ہے تو کیا جانے؟
بحر کہتا ہے فراست سے ہے جانا جاتا

ابر کہتا ہے کہ اللہ رے فراست تیری
بحر کہتا ہے کہ اللہ رے تجبّر تیرا

ابر کہتا ہے تجبّر ہے یہ رفعت کی دلیل
بحر کہتا ہے تجبّر ہے یہ پستی پہ جھُکا

ابر کہتا ہے کہ پست کسی کی ہمّت
بحر کہتا ہے کہ ہمّت ہے تو پستی پہ نہ آ

ابر کہتا ہے کہ اک فتح پہ اتنا مت پھول
بحر کہتا ہے کہ بے فتح نہ اِتنا اِترا

ابر کہتا ہے کہ کیا فتح نہ ہوگی حاصل؟
بحر کہتا ہے کہ جب تک نہ ہو سچّا دعوی

ابر کہتا ہے کہ کیا ایک ہی سچّا تو ہی
بحر کہتا ہے کہ سچّوں کا ہوں عاشق سچّا

ابر کہتا ہے تو عاشق ہے تو ہوگا مجنوں
بحر کہتا ہے بُرا کیا ہے ملے گر لیلےٰ

ابر کہتا ہے کہ اے ناقۂ لیلی میں ہوں
بحر کہتا ہے رخِ یار سے پردہ تو ہٹا

ابر کہتا ہے کہ لیلی نہیں تجھ سے راضی
بحر کہتا ہے شترِ غمزدوں سے ناحق نہ ستا

ابر کہتا ہے کہ انعام تو دلوا پہلے
بحر کہتا ہے کہ نقد دل و جاں تک لے جا

ابر کہتا ہے کف حاتم طائی تو نہیں
بحر کہتا ہے میں ہوں دست وغا را الامرا

(۳) مدح

وہ امیر ابن امیر ابن امیر ابن امیر
وہ رئیس ابن رئیس ابن رئیس الروسا

رونقیں جس کی امارت میں ہیں جنت جنت
خوبیاں جس کی ریاست میں ہیں طوبیٰ طوبیٰ

رائے سے اسکی ہزاروں ہیں فلاطون ظاہر
عقل سے اسکی کروروں ہیں ارسطو پیدا

ہے سکندر مگر اس کو ہے ملی خضر کی عمر
کیا ہی چشموں سے ابلتا ہے پڑا آب بقا

جلوہ آرا ہیں خیالات کے لاکھوں ممبر
اور آرا کے کروروں ہی ہیں مجلس آرا

فکر کہتے ہیں جسے، ہیں عقلا کے زمرے
ذکر کہتے ہیں جسے، ہیں طبقات فصحا

عقل کل عقل نے بس اس کے بطوں میں پائی
کہ دماغ اس کا ہے ہر ایک فلک سے اعلیٰ

علم نے اس کی جبیں پہ ہے بچھائی کرسی
وہ دماغ ہمہ داں عرش خرد ہے بخدا

دیکھ کر عقل کا عرش اور خرد کی کرسی
ملکی خلق کے کرتے ہیں ملائک سجدا

خلق سے اس کے ملک سیکھتے ہیں عادت نیک
عقل کو اسکی ہیں الہام سمجھتے عقلا

اس کی تقریر سے ظاہر ہے بلاغت کی شکوہ
اس کی تدبیر پہ قائم ہے تمدن کی بنا

عہد میں اس کے کچھ اس درجہ ہے راحت پھیلی
گل کے بھی دل میں نہیں خار کا باقی کھٹکا

گدگدی جان کے بیساختہ ہنس دیتا ہے
چھیڑتا پھول کو بھولے سے اگر ہے کانٹا

تیغ تنبیہ ہے چوروں کے لیے قطع النسل
نام باقی نہیں دنیا میں کہیں چوری کا

زخم سے چور شفا خانوں میں ہے زخم کا چور
حسن کے گھر میں ہے آغشتہ بخوں دزد حنا

شمع کا چور ہے حسرت کے بہاتا آنسو
آنے والا ہے کوئی دم میں فنا کا جھونکا

نکتہ چیں بن کے نظر جاتی ہے جس صیغے پہ
پاتی صحت سے قریں اس کا ہے لفظا لفظا

گہ عہد الست پہ نظر کیجیے انصاف یہ ہے
گرد کو اسکی پہنچتا نہیں عدل کسریٰ

دستِ قاضی میں قلم ہے کہ یہ میزان العدل — فیصلہ ہے کہ ترازو میں عمل ہے تُلتا
گر عمل نیک ہے آدھے کی جزا ہے پوری — گر عمل بد ہے تو تھوڑے کی ہے تھوڑی ہی سزا
کوتوالی کو جو دیکھو ہے نگہباں کی نظر — ہر نظر کرتی ہے یاں کام نگہبانی کا
ہیں جواں جتنے نہیں اُن میں مشیخت مطلق — ہیں امیں جتنے نہیں اُن میں خیانت اصلا
بخت کی طرح شب و روز ہے ناظم بیدار — موت سے باندھ کے اب شرط ہے فتنہ سویا
کوئی ٹکسال ہے کہتے ہیں جسے تعلیمات — کہ کھٹاکھٹ ہے ہر اک علم کا سکّہ ڈھلتا
دلکشا شہر میں حکمت کے مدارس یہ نہیں — جن کے ہر کوچے میں آباد ہیں یکسر حکما
علم کو ہے وہ ترقی کہ خوشی کے مارے — اپنے جامے میں سماتے نہیں پھولے علما
بچّے بچّے کو ہے قدرت کہ وہ کر دے ثابت — آب کی طرح مُرکّب نہ کہ عنصر ہے ہوا
کریں گھر بیٹھے ہوئے سیر یہ دُنیا بھر کی — کہ ہے جغرافئے سے زیرِ قدم امریکا
باندھ دے کیوں نہ عمارات کا پل تعمیرات — ہے بڑے جوش پہ انجنیری کا دریا
معدنیات جسے کہتے ہیں ہے وہ کامل — کیمیا کا جسے معلوم ہے سچ مچ نسخا
کانیں لوہے کی ہیں لوہے سے بناتی چاندی — کانیں کوئلے کی ہیں کوئلے سے بناتی ہیرا
جس طرف دیکھیے ہے راہ تجارت کی کھُلی — جس طرف جائیے ہے کام سیاحت کا روا
مرغِ دولت طمع دانہ میں کیونکر نہ پھنسے — دام سڑکوں کا ہے ہر سمت زمیں پر پھیلا
کہ یہیں چار طرف دوڑ رہی ہیں ریلیں — انجنوں کے ہے بھری سر میں ترقی کی ہوا
تار برقی نہ کہو اس کو یہ ہے روحِ امیں — سمجھو پیغام نہ اس کو یہ ہے وحیٌ یوحیٰ
ڈاک خانوں میں اُترتے ہیں صحیفے شب و روز — ڈاک والوں کی زباں پر ہے چڑھا نزّلنا
قصہ کوتاہ ہیں اوصاف اضافی بھی بہت — وصف ذاتی ہیں مگر وصف اضافی سے سوا

آؤ ممدوح کا تخیل سے فوٹو کھینچیں
نہ ہو فل سائز تو ہو بسٹ نہیں تو چہرا

(۴) چہرا

زلف کا اُس کے نہیں سر پہ جبیں کے سایا
لپٹی ہی صبح سعادت سے مسرت کی سما

ہیں بھنویں اُس کی کہ دو ترک لیے ہیں شمشیر
اُس کی آنکھیں ہیں کہ دو مست لیے ہیں مینا

کان سرگوشیاں کرتے ہیں گلِ مضموں سے
ہیں بھرے جسمیں بہ پیرایۂ خوشبو معنے

اُس کی بینی کہ ہی خود بینیوں سے یکسر پاک
کارڈ ہی جس پہ کہ فوٹو ہی کھنچا غیرت کا

دونوں رُخ آتے ہیں عزت کے ہر اک رُخ سے نظر
ہی مصوّر نے نئے رخ سے یہ فوٹو کھینچا

مونچھیں ہاتھوں میں لیے اپنے ہیں دو دو خنجر
جگر و دل کی نہیں خیر ہی بھاگیں اعدا

ہی ذقن صاف کہ آئینۂ اسکندر ہی
ایسے آئینہ میں کب بال بھلا ہی زیبا

سامنے آئے تو منھ پر ابھی سُرخی چھا جائے
اپنا منھ دیکھ کے سیب آپ ہی جاے شرما

موئے عارض نہیں ہیں روم میں زنگی فوجیں
ہونے والا ہی شارم حلب پر دھاوا

دولت آباد پہ یا عزم علاء الدیں ہی
دستِ کافور میں ہی فتح و ظفر کا جھنڈا

(۵) دعا

وصفِ ممدوح کو درکار ہی فرصت شہباز
اور فرصت ہی یہاں اپنے حساب وں عنقا

پس مناسب ہی کروں فکرِ دعاے دستور
ہاتھ اُٹھا کر کہ ہی ٹھیرا یوں ہی دستورِ دعا

جب تلک قصرِ حکومت میں ہی دولت کی کنیز
جب تلک اوج سعادت پہ ہی اقبالِ ہما

یا الٰہی یوں ہی دولت رہے قدموں سے لگی
رہے اقبال کا یارب یوں ہی سر پہ سایا

پروفیسر شہباز کے جرِ ثقیل در جلو خیالات

ریل

ہم نے دیکھی ہی عجب طرح کی اونٹوں کی قطار
ناک ہر ایک کی لوہے کی ہی، لوہے کی نکیل

سیر میلوں کی ہی ہر وقت وہ باہم ہی ملاپ
دیکھ لو میل کو آنکھوں سے کچھ اس درجہ ہی میل

پہنچتے کشتیاں نشانے پہ ہیں غُلّوں کی طرح
دونوں ہاتھوں سے اُفق جبکہ چلاتا ہی غُلیل

زمین پانی سے یہ چڑھ جاتے ہیں ہر چوٹی پہ
باغ صنعت میں انھیں کی ہی بڑھے چڑھتی بیل

پیتے پانی ہیں فقط کھاتے ہیں لکڑی کو لا
کبھی مالش کے لیے مانگتے ہیں تھوڑا تیل

چلتے ہی نہیں یہ، کہتے ہیں تھکنا کس کو
کھیل ہی ان کو شب و روز کی بھی گر ہو دلیل

سختیاں کوہ کی بے عذر یہ کرلیں برداشت
لیں یہ بے چینِ جبیں دشت کی تکلیفیں جھیل

ہیں پہاڑوں پہ یہ ریچھ اور ہیں میداں میں ہرن
صاف گھڑیال ہیں دریا میں جو دیں ان کو دھکیل

لدکے جاتی ہی انھیں پہ تو ولایت کی ڈاک
لپکے آتا ہی انھیں پہ تو ولایت کا میل

جانور ہیں، ہی مگر ان پہ عیاں جرِّ ثقیل
عملی شاخ میں اسکی یہ کہیں بھی نہوں فیل

بحرِ زخّار میں ہیں ان کے ہنر کے قائل
شمع افروز شبستان شنائینی و ہیل

ان کے چلنے سے ہی سونے کو بہانا ملتا
چلتے میں کس نے کہا اونگتے کو دیتے ہیں ٹھیل

سنتے ہی نغمے کہ ہیں دنیا کی طنابیں کھینچتی
ہی تماشا کہ انھیں وہ بھی ہی اک ادنےٰ کھیل

ان سے بازار تجارت میں ہی ہر میل کی جنس
ان سے ہوٹل میں سیاحت کے ہی ہر جنس کا میل

سارباں ہی نہ شتر خانہ نہ اونٹوں کی قطار
فکر شہباز کی گھر گھر ہی چلائی ہوئی ریل

پروفیسر شہباز کے تہنیت آمیز خیالات

۱۵۹ء

نظام دکن کی سالگرہ

چمن میں نخلِ چمن ہے چمن کی سالگرہ — ختن میں مشکِ ختن ہے ختن کی سالگرہ
عدن میں دُرِّ عدن ہے عدن کی سالگرہ — یمن میں لعلِ یمن ہے یمن کی سالگرہ
مگر ہے ایسی کہاں سبھ لگن کی سالگرہ
ہے جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

سپر میں پھول ہے تیغِ دودم کی سالگرہ — ہلال میں ہے ستارہ علم کی سالگرہ
کمند میں ہے گرہ پیچ و خم کی سالگرہ — کماں کے دل میں ہے پیکاں ستم کی سالگرہ
مگر ہے ایسی کہاں سبھ لگن کی سالگرہ
ہے جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

ہے مشتِ غنچہ میں زر برگ تر کی سالگرہ — ہے غنچہ نامیہ باروَر کی سالگرہ
ثمر ہے شاخ پہ شاخِ شجر کی سالگرہ — ثمر میں تخم ثمر ہے ثمر کی سالگرہ
مگر ہے ایسی کہاں سبھ لگن کی سالگرہ
ہے جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

جو سر ہے دوش پہ دانش ہنر کی سالگرہ — ہے آنکھ چہرے پہ دانش کے سر کی سالگرہ
ہے پتلی آنکھ میں نورِ نظر کی سالگرہ — نظر میں نور ہے لختِ جگر کی سالگرہ
مگر ہے ایسی کہاں سبھ لگن کی سالگرہ
ہے جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

دلوں میں اُن کے جو ہے ناز کا خیال گرہ — بھنوؤں میں ڈالتے ہیں شوخ خوش جمال گرہ

ادا سے موتی پرو دی تھی بال بال گرہ　　کہ ناز و عشوہ کی (یہاں) دھوم سے ہوئی سالگرہ

مگر ہی ایسی کہاں شبھ لگن کی سالگرہ
ہی جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

ہی زلفِ سالگرہ منہ پہ ماہ پاروں کی　　ہی خالِ سالگرہ گال پر عذاروں کی
ہی ماہ سالگرہ رات کو ستاروں کی　　ہی مہر سالگرہ دن کو چاند تاروں کی

مگر ہی ایسی کہاں شبھ لگن کی سالگرہ
ہی جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

سمائیں جامے میں معشوق کس طرح پھولے　　حباب نور کے دو بحرِ حسن میں اُبھرے
کھلا یہ عقدہ جو بچے تھے دو برس پہلے　　ہی اُن کی سالگرہ خیر سے جوان ہوے

مگر ہی ایسی کہاں شبھ لگن کی سالگرہ
ہی جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

اذاں پکار دی ہر سو خدائے واحد کی　　کہ جس سے کھل گئیں باچھیں ہی شیخ و زاہد کی
جھلک وضو نے دکھائی شراب و شاہد کی　　منائی سالگرہ گنبدوں نے مسجد کی

مگر ہی ایسی کہاں شبھ لگن کی سالگرہ
ہی جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

خدا کی شیخ نے جب سال بھر عبادت کی　　دکھائی گٹھے سے سجدوں نے زیبِ طاعت کی
جبیں پہ پھیلے نہ کیوں روشنی سعادت کی　　کہ آئی سالگرہ شیخ کی ریاضت کی

مگر ہی ایسی کہاں شبھ لگن کی سالگرہ
ہی جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

ہی دستِ شیخ میں تسبیح وہ جو اک رنگیں　　کلابتون سے ہی جس کی ریشمی تزئیں
ہی کہتی شیخ سے ہر پھر کے بالبِ لعلیں　　ہی گرچہ سالگرہ تیری ایک سو دسویں

مگر ہی ایسی کہاں شبھ لگن کی سالگرہ
ہی جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

وہ ٹٹی جس پہ کہ بیلیں ہیں شل گیسوئے حور
ہی بھٹی جس میں شرابی ہیں کل نشے میں چور
نشے میں آکے وہ کہتے ہیں یوں زراہ سرور
چمن میں سالگرہ دختِ رز کی ہی انگور

مگر ہی ایسی کہاں شبھ لگن کی سالگرہ
ہی جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

پڑی کہیں جو گرہ ایک نو مشک کی ہی
گلاب میں کسی رسیلے نے کے تر کی ہی
پہ پوست شیریں کلامی سے سال بھر کی ہی
کہ صاف سالگرہ قند کی شکر کی ہی

مگر ہی ایسی کہاں شبھ لگن کی سالگرہ
ہی جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

ہی شہر میں وہ جو مشہور سال کی لکڑی
ہر ایک سال نئی اُس میں ہی گرہ پڑتی
اسی گرہ سے تو مچتی ہی جنگلوں میں خوشی
کہ سال سالگرہ ہی گرہ سے جنگل کی

مگر ہی ایسی کہاں شبھ لگن کی سالگرہ
ہی جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

بھنور کے دیکھ اگر خط و خال گرہیں ہیں
یہ زلف موج نہیں بال بال گرہیں ہیں
جو سطحِ آب پہ پھیلائے جال گرہیں ہیں
نہیں ہیں جال یہ دریا کی سال گرہیں ہیں

مگر ہی ایسی کہاں شبھ لگن کی سالگرہ
ہی جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

ہوا میں اُڑتے گرہ باز کچھ کبوتر ہیں
کمال کرتے ہیں بیشک طلسم پیکر ہیں
گرہ ہوا میں لگاتے ہیں لوگ ششدر ہیں
کہ سالگرہ ہیں مجسم کئی ہوا پر ہیں

مگر ہی ایسی کہاں شبھ لگن کی سالگرہ

ہے جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

فلک کی سالگرہ چاند، چاند کی دھرتی
زمیں کی سالگرہ کوہ، کوہ کی چوٹی
درخت چوٹی کی، چوٹی کی شاخ اور ٹہنی
کمی نہیں ہے زمانے میں سالگرہوں کی
مگر ہے ایسی کہاں شبھ لگن کی سالگرہ
ہے جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

ٹھنی ہے آکے جو مندر کے جی میں ٹھن ٹھن کی
مچی ہے آکے جو لوگوں میں دھوم درشن کی
لگی ہے آکے جو ماتھے پہ ٹیکے چندن کی
ضرور سالگرہ ہے کسی برہمن کی
مگر ہے ایسی کہاں شبھ لگن کی سالگرہ
ہے جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

کبھی ہے عارضِ رنگیں پہ مثلِ خال گرہ
کبھی طفیل میں ہے گیسوؤں کے جال گرہ
لگا رہا ہے جو شہباز کا خیال گرہ
گرہ نہیں ہے عروسِ سخن کی سالگرہ
مگر ہے ایسی کہاں شبھ لگن کی سالگرہ
ہے جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

مولینا شہباز کے نورانی خیالات

نئے بچوں کے دانت کیوں نہیں ہوتے

یہ اُس نظم کا دوسرا حصہ ہے جو ننھی مُنّی شاعری کے عنوان سے کچھ برس ہوئے اودھ پنچ میں چھپی تھی جس میں ایک معصوم لڑکی نے اپنے ننھے بھائی کے مُنہ میں دانت نہ دیکھکر بھولے پن سے خدا کے پاس عرضی لکھی تھی

پاس خدا کے اُس بچّی کا
سوہ لیا دل طرزِ ادا نے
خامۂ قدرت ہاتھ میں لے کر
اے معصوم اے پیاری بچّی
چاہتی ہے یوں میری عرضی
لیکن یاد رہے یہ تجھ کو
پر اس میں اک بھید ہے گہرا
وقت کا ہے یہ رستہ تکتا
وقت سے پہلے کام اگر ہو
سچ ہے منہ میں دانت نہیں ہے
دانت ابھی گر اس کے بنا دوں
ایسی غذا تو پچ نہیں سکتی
روٹی گوشت سے پُر جو دہن ہو
دانت لگیں گر چکّی دلنے
انتڑیوں کو آفت میں ڈالے
بچّے نے منہ بن دانت کا کھولا
بالا ہے بن دانت کا بوڑھا
دل کی صدف میں بس نہیں سکتے
کیوں یوں خوش ہے بچّہ؟ بولو
خوش ہے وہ اپنی حالت پر
کام زباں ہے دودھ سے رکھتی

لے کے فرشتہ جب خط پہنچا
ہنس دیا خط کو پڑھ کے خدا نے
لکھّی شرح یہ اُس عرضی پر
دیکھ کے تیری نیّت سچّی
ہو منظور یہ تیری عرضی
یاد تھا دانت بنانا مجھ کو
وقت ہے یاں ہر کام کا ٹھیرا
وقت سے پہلے ہو نہیں سکتا
درہم برہم ہو ایسا ہو
دانت کے قابل آنت نہیں ہے
کیونکر روٹی گوشت کھلا دوں
جاں بچّے کی بچ نہیں سکتی
سوت سی انتڑیوں کو اُلجھن ہو
پیٹ لگے بن پاؤں سے چلنے
پیٹ سے معدہ پاؤں نکالے
منہ نظر آیا بھولا بھولا
ہنستا ہے موتی پہ مسوڑھا
یوں موتی بھی ہنس نہیں سکتے
ناخن سے یہ عقدہ کھولو
شکر کے شربت سے ہے زباں تر
شربت کی ہے لذّت چکھتی

عیش بدن میں مچ جاتا ہے
جو پیتا ہے بچ جاتا ہے

پینے لگا جب دودھ چٹورا
منہ سے لگا کوثر کا کٹورا

کس خوبی سے چھلک جاتا ہے
پی کر بچہ چھلک جاتا ہے

شکر کی سیریں دکھلاتی ہیں
مند کر آنکھیں کھل جاتی ہیں

بھوک گھڑی بھر ٹل جاتی ہے
سیری پنکھا جھل جاتی ہے

فکر سے فارغ ہو جاتا ہے
چھاتی سے لگ کر سو جاتا ہے

منہ پہ تبسم اک خوبی سے
آنکھیں بند خوش اسلوبی سے

نیند یہاں بیدار ہے بیٹھی
غفلت یاں ہشیار ہے بیٹھی

منہ میں پڑیں مصری کی ڈلیاں
بند آنکھیں نرگس کی کلیاں

نور ہے پھیلا تن کے محل میں
شمع ہے روشن دل کی لگن میں

ہیں وہ رگیں امرت کی نہریں
سانسیں آب بقا کی لہریں

مولینا شہباز کی کاغذی آمد و رفت

دو کی رسم تھی پہلے یہ نہ تھی آمد و رفت
رسم کی راہ کھلی پھر یہ کھلی آمد و رفت

سال میں پہلے تھی اکبار ہوئی پھر دو بار
دو سے پھر چار کسی طرح ہوئی آمد و رفت

چار سے چھ ہوئی اور چھ سے ہوئی پھر بارہ
پھر تو ہر ماہ میں سو بار بڑھی آمد و رفت

شام ہو صبح ہو دن رات ہو وہ کوئی وقت
دل کو لگتی تھی ہر اک وقت بھلی آمد و رفت

کھڑکیاں خانۂ صحبت میں کھلیں الفت کی
جس سے لاتی تھی محبت کی خوشی آمد و رفت

نئے تکلفات نظر آنے لگے انداز خیال
راز بتلانے لگی دل کے سبھی آمد و رفت

دونوں دل اپنے تھے سینوں میں گلے ملتے ہوئے
آمد و رفت سے جب عید ملی آمد و رفت

مختصر یہ کہ محبت کے غضب پینگ بڑھے
ہر نشہ چڑھکے اُترتا ہی بگڑتا ہی بناؤ
نہیں معلوم وہ کیا بات تھی دل جس سے ہٹا
آمد و رفت سے پھر رسم پہ آ ٹھیری بات
آخرش رسم بھی جاتی رہی اللہ اللہ
وہی اچھے ہیں جو جانے نہ کہیں آنے ہیں

الغرض بام ترقی پہ چڑھی آمد و رفت
بڑھتے بڑھتے جو بڑھی تھی سو گھٹی آمد و رفت
کچھ جھجکتی ہوئی پیچھے کو ہٹی آمد و رفت
تھی جہاں پہلے وہیں آکے اڑی آمد و رفت
نہ رہی رسم وہ اگلی نہ رہی آمد و رفت
نہ بڑھاتے نہ گھٹاتے ہیں کبھی آمد و رفت

فکر کے پاؤں سے شہباز ہی آنا جانا
مثل خامہ کے ہی کاغذ پہ مری آمد و رفت

مولینا شہباز کے سُلجھے ہوئے خیالات

ڈاڑھی

(۱)

سیاہ ہیرے نہ نیلم کی تھی کنی ڈاڑھی
نہ لوک تیز نہ برچھی کی تھی انی ڈاڑھی
نہ گھاس پھوس نہ جنگل نہ تھی بنی ڈاڑھی
چمن تھا حُسن کا جب تک نہ تھی بنی ڈاڑھی
تھی ابر سایہ فگن باپ کی گھنی ڈاڑھی

گلابی ہیرے کے تھے آئینے وہ گل سے عذار
بھرے تھے دانتوں کی جا مُنہ میں گوہر شہوار
لگے تھے جوہر خوبی کے ہر طرف انبار
کہ دوڑی اتنے میں بس لے کے برچھی اور تلوار
دیار حُسن میں کرنے کو رہزنی ڈاڑھی

کبھی پڑے نہ پڑے تیل یہ چلکتی تھی
کبھی لگے نہ لگے عطر یہ مہکتی تھی
ممولے کولوں پہ شکلِ کمر لچکتی تھی
جو انی گاتی تھی یہ ناچتی تھرکتی تھی

نئی دُلھن کی طرح تھی بنی ٹھنی ڈاڑھی

گلوں سے سوزِ محبت سے پھک کے ملتی تھی — بتوں سے بیڑوں کے کھا کھا کے ٹکّے ملتی تھی
رُکا رُکا ہو کوئی گر تو رُک کے ملتی تھی — کبھی کمان کی صورت سے جھُک کے ملتی تھی
کبھی تھی چلّے کی صورت کھنچی تنی ڈاڑھی

نکلتے ہیں ڈاڑھی اصلاح کے بھی جب راہیں — نکالیں تھی یہ تہذیب کی نئی راہیں
کبھی یہ صاف کہ نکلیں لبوں سے سو آہیں — کبھی چھپا تی کہ لے چاہِ ناف کی تھاہیں
کسی عزیز کی جس طرح لندنی ڈاڑھی

نہ بالچھڑ کی طرح سل پہ یا کھرل میں کُٹی — بہار ہے نہ سُنبل کی یہ چمن میں لُٹی
دیا سلائی کی لَو میں نہ پھلجھڑی سی چھُٹی — مثالِ رنگ یہ سونٹے سے اُسترے کے گھٹی
عذارِ صاف کی صافی میں پھر چھپی ڈاڑھی

منڈے جو بیچ سے پیدا ہوں دو جزیرہ نما — منڈے جو دونوں طرف سے ہے ٹاپو چھوٹا سا
کبھی ہے ہند کی صورت کبھی ہے افریقا — کبھی لٹک کے ہے اٹلی کا ہو بہو نقشا
کبھی ہے پھیل کے اٹلی سے جرمنی ڈاڑھی

چڑھے یہ سر پہ کبھی چڑھ کے یہ اُترتی ہے — کبھی عذار کے دامن میں یہ بکھرتی ہے
کبھی یہ ہونٹوں سے ہٹ کر پڑی پھرتی ہے — ہوا کے جھونکوں سے ہر وقت رقص کرتی ہے
جو پوچھو اصل تو ہے ریچھ کی جنی ڈاڑھی

ہے رکھتی زیرِ علم اپنے بیکراں لشکر — لگاتی گھات ہے غنیموں پہ ہر سمت چھپ کر
جمائی گالوں کے میدان میں ہے ٹڈی کو اُتر — ہزاروں حبشیوں کالوں کی پلٹنیں لے کر
چڑھائی کرتی ہے کالوں پہ پلٹنی ڈاڑھی

کبھی یہ کرتی ہے دھاوا سوادِ گیسو تک — کبھی یہ چھاؤنی چھاتی ہے طاقِ ابرو تک
کبھی لٹک کے یہ پہنچے ستم کے ٹاپو تک — کبھی ہے چاہِ ذقن سے پھسل کے پیڑو تک

وفورِ کبر سے آلودہ...... ڈاڑھی

اُڑائے اُڑ کے ہیں ڈاڑھی نے بجلی بن کے دھوئیں   ہیں پانی بھرتے ہزاروں چہ ذقن میں کوئیں
نفس کی گرمی سے پھیلی ہیں چار سمت لوئیں   مرے سے پھرتی ہیں خوں پیتی شیر بن کے جوئیں
بنوں میں غل ہے کہ شیروں کی ہے بنی ڈاڑھی

شکارگاہوں میں خاصی ہے آڑ ٹٹّی کی   ہے کارگاہوں میں یہ راچھ نور بافی کی
شراب خانوں میں ہے اصل ریش قاضی کی   کبھی ہے ہودجِ زرّیں پہ جھول ہاتھی کی
کبھی ہے زین پہ گھوڑے کی گردنی ڈاڑھی

سفر ہو یا کہ حضر ہے یہ شامِ بے وطنی   شبِ فراق کی ظلمت یہیں ہے آکے چھنی
شبِ وصال میں اکثر ہے اس سے جاں پہ بنی   کبھی ہے نیش سے عقرب کے صاف سوختنی
کبھی ہے مار کے کپھنے سے کُشتنی ڈاڑھی

کبھی دُکاں پہ یہ گالوں کی کھیپ ہے سَن کی   کبھی ہے تھان پہ سینے کے دُم یہ توسن کی
کبھی ہے باغ میں رُخ کے بہار سوسن کی   کبھی ہے ریشمی پھندی ذقن کے لہسن کی
کبھی پیازِ ذقن، پھندی لہسنی ڈاڑھی

گدھوں کی آنکھ میں ہیں گرچہ گھاس کے پُولے   گرہ کی مُٹّھی میں ہیں بند ریشمی جھولے
گرہ گرہ ہو کلی ہر کلی سے گُل پھُولے   کوئی تو پینگ بڑھائے کوئی صنم جھولے
جھلا کے جھونکوں سے سُنوائے سالونی ڈاڑھی

ہوئی سفید تو صابن سے مثلِ برف دُھلی   ہوئی جو زرد تو کانٹوں میں مثلِ زر کے تُلی
طبیعت اس میں بڑھاپے کی اک حسین ڈھلی   خضاب کا تھا ملمّع مگر جو قلعی کھُلی
ہوئی سیاہی میں اودی سے بیگنی ڈاڑھی

سپیدی، زردی، سیاہی میں آ پڑی اک جنگ   دکھایا مہندی کی لالی نے کشت و خوں کا ڈھنگ
جھپٹ کے ڈاڑھی نے چاروں کو کر دیا چورنگ   یہ ڈھنگ دیکھ کے مریخ کا ہوا فق رنگ

کہا دھنا سے نہ ہی تلوار کی دھنی ڈاڑھی

حجاب میں یہ کبھی اطلس حجاب سے ہی
کبھی یہ جلوہ نما ریشمی نقاب سے ہی
خیالِ مخمل و کمخواب رنگ خواب سے ہی
خدا کی شان کہ بگڑے ہوئے خضاب سے ہی
ہر ایک رنگ کے کپڑوں کی الگنی ڈاڑھی

بنائیں جھالر اسے عرش و کرسیٔ رحمٰن
رکھیں فلک اسے سر پہ سمجھ کے کاہکشاں
لگائے آنکھ سے دیکھے اسے جہاں رضواں
ادب سے چھوٹتے ہی چومیں حور اور غلماں
نعیم خلد کی مہندی ہی درشنی ڈاڑھی

ہر ایک بال میں ہی موشگافیوں کا اثر
جو خموشیوں میں فصاحت کے ہیں بھرے دفتر
سیاہیوں سے یہ ہی مردمی کا نورِ بصر
کجی میں اس کی سراسر ہی راستی مضمر
غرور میں ہی طلسمِ فروتنی ڈاڑھی

کبھی ہی علم بیاں میں یہ مختصر پُر غش
کبھی ہی شرح معانی میں یہ مطوّل وش
کبھی یہ جوڑتی ہی نحویوں کی ریش سے فش
کبھی ہی عالمِ تقریر میں بُزِ اخفش
کبھی ہی ہمسرِ اخفش کی جندنی ڈاڑھی

مولنا شہباز کے اُلجھے ہوئے خیالات

مونچھیں

(ان مونچھوں کو زیادہ تر باقی پور پٹنہ سے تعلق ہی)

بڑھیں اس طرح جب مچھندر کی مونچھیں
منڈیں کس لیے پھر قلندر کی مونچھیں

پڑی تاؤ کھاتی ہیں ہر حر کی مونچھیں — عجب کیا اگر ریچھ بندر کی مونچھیں
بنیں بڑھتے بڑھتے سکندر کی مونچھیں

کسی روم میں ایک ریکارڈ کیپر — ہے بیٹھا ہوا اپنی کرسی کے اوپر
نہیں ڈر سے رکھنا چُرٹ مُنہ کے اندر — کہ پھیلا ہے کرسی پہ مونچھوں کا دفتر
محافظ ہیں خود اپنے دفتر کی مونچھیں

نکیلی کھنچی ناک کے زیرِ سایہ — بڑھاتی ہوئی رعب و سطوت کا پایہ
سُناتی ہوئی خوف و خشیت کا آیہ — کبھی بالصراحہ کبھی بالکنایہ
ڈراتی ہیں ڈپٹی کلکٹر کی مونچھیں

کمر میں نہیں گرچہ تلوار رکھتیں — مگر پھر بھی اعدا کو ہیں مار رکھتیں
ہیں احباب کو عاشقِ زار رکھتیں — لبوں پر بھی اک زعفراں زار رکھتیں
خوش اخلاقیوں سے کلکٹر کی مونچھیں

سرِ شام کوٹھی سے اپنی نکل کر — اُٹھاتی ہوئی دم بدم لطفِ منظر
لگاتی ہوئی لان کے گرد چکر — بڑھاف[1] کے ساتھ [illegible] فٹن پر
ہوا کھا رہی ہیں کمشنر کی مونچھیں

جواہر کی لڑیاں کہیں جھڑ رہی ہیں — خریفوں پہ چھڑیاں کہیں پڑ رہی ہیں
نظیروں پہ آنکھیں کہیں گڑ رہی ہیں — کتابیں پٹک کر کہیں لڑ رہی ہیں
کھڑی کونسلی سے پلیڈر کی مونچھیں

کہیں چھانتی ہیں مئے پُرتگالی — پروتی کہیں پرل کے ہیں لآلی[2]
بنی ہیں کہیں حسن کے منہ پہ جالی — سیاہی میں ہیں لب پہ ہاتھوں کی لالی

---

[1] بہترین نصف یعنی عورت ۱۲ [2] موتی ۱۲

سٹیشن پہ ایجنٹ کلنر کی مونچھیں

کہیں ذکر ہی گرز باں دانیوں کا　　کہیں وقت ہی گر ثنا خوانیوں کا
غرض معرکہ گر ہی لسّانیوں کا　　پہنچکر وہیں جلد ایرانیوں کا
پھریرا اُڑاتی ہیں سنجر کی مونچھیں

ہوا قلب پر خوف عقبیٰ جو غالب　　چلا گھر سے عینو[۱] کی مسجد کی جانب
تھے عینو وہاں ورثۂ شاہ یثرب　　بڑھے لے کے مقراض قصّوا الشّوارب
جو دیکھیں مرے منہ پہ کافر کی مونچھیں

وہ مونچھوں پہ لپکے یئ داڑھی سے لٹکا　　کترنے لگے وہ، دیا میں نے جھٹکا
کلا منہ پہ کرنے لگی کام نٹ کا　　اُٹھا پھر تو مونچھوں نے ڈاڑھی کو پٹکا
چُبھونے لگیں نوک خنجر کی مونچھیں

نکل آئے لڑ بھڑ کے ہم ٹھنڈے ٹھنڈے　　اُڑاتے ہوئے فتح و نصرت کے جھنڈے
بندھے گو نہ مونچھوں میں عینو کے ڈنڈے　　وضو ہو گئے لیک تقویٰ کے ٹھنڈے
نہ جائیں جو مسجد ہو عنبر کی مونچھیں

ہو جلسہ وہ پٹنے میں یا لکھنؤ میں　　وہ ہو شوق زر دار یا عشق ٹِیں ٹِیں
کہیں ہاتھ نا چیں کہیں پاؤں تھرکیں　　لب لعل سے ہونٹ طوطی کے مل دیں
الاپیں جو شہباز حیدر[۲] کی مونچھیں

---

[۱] غالباً پٹنے میں اس نام کی کوئی مسجد ہی ۱۲　[۲] ایک طوائف کا نام جس کے مونچھیں تھیں ۱۲

پروفیسر شہباز کے رنگیں خیالات

پان

یواقیت میں لعل کی شان ہوں میں
یمن میں لبوں کے بدخشاں ہوں میں

بھرے لعل و یاقوت ہیں یاں سے واں تک
بظاہر زمرّد کی گوکان ہوں میں

مری تہ سے نکلیں گے خوش رنگ موتی
سمندر میں زینت کی سیلان ہوں میں

مری شکل ملتی ہے ہندوستاں سے
محب الوطن جزو ایمان ہوں میں

جماتا ہوں میں رنگ سوسن پر اپنا
ادھر دیکھ نرگس زباں دان ہوں میں

ہوں مرجان کو میں زمرّد کی مسجد
زمرّد کو تسبیح مرجان ہوں میں

کہیں سرخ پوشوں کا ہوں میں گریباں
کہیں سبز پوشوں کا دامان ہوں میں

دکھاتا ہوں لذّت کو خوش رنگ دانے
تبسّم کے شق سے۔ وہ رمّان ہوں میں

مرے آسماں پر ہیں قوسِ قزح دو
دکھاتا جبھی سارے الوان ہوں میں

سپیدی سے لے کر سیاہی کی حد تک
ہر اک رنگ قدرت کا سامان ہوں میں

کہیں رنگ سے چائے کی ہوں پیالی
کہیں بو سے قہوے کا فنجان ہوں میں

کہیں مہماں کی ہوں خاطر تواضع
کسی جا مداراتِ مہمان ہوں میں

کہیں میں ہوں سیری کو چورن کی پڑیا
کہیں بھوک کو خوانِ الوان ہوں میں

کبھی ہوں خوشی جو نہ پھولے سمائے
کبھی فکرِ سر در گریبان ہوں میں

عدو کا ہے کیا منہ کہ منہ پاس لائے
محبّت کی ڈیوڑھی کا دربان ہوں میں

بدلتا ہوں عشرت کی شاخوں پہ دانہ
تعشق کی چھتری کا گردان ہوں میں

کروں حج تو لوں لعلِ احمر کا بوسہ
کہ پڑھتا حسینوں کا قرآن ہوں میں

مناسب ہے موتی کو اب چوں نہ کرنا
لبِ لعل پر نوکِ پیکاں ہوں میں

زمیں کو مرے رنگ نے چھا لیا ہے
جہانگیرِ شہرت کا طوفان ہوں میں

نہ تھا میں تو یہ رنگ زینت کا کد تھا
بہر رنگ زینت کا سامان ہوں میں

میں ہوں ناک - ہیں ناک کی کیل لونگیں
قرنفل کرن پھول ہیں - کان ہوں میں

الاچی جو بنتی ہے پردے کی بو بو
الاچی کا دَر پردہ اک تھان ہوں میں

گری ہے گری قوم - مصلح کی صورت
اُٹھاتا پکڑ کر گریبان ہوں میں

مشیروں کو دیتا ہوں اپنے وزارت
جہاں میں اگر دل پہ سلطان ہوں میں

دوپلّی ہے جب سر پہ شاہِ اودھ ہوں
کُلہ کج ہے جب شاہِ ایران ہوں میں

کبھی مشورے سے ہیں - کبھی مر کے ہیں
ترقی تمدن کے ارکان ہوں میں

عیاں بیتر سطرے آیت کی سُرخی
خدائی چھپائی کا قرآن ہوں میں

مری یاد ہے یاد گھر کی بھلاتی
عرب کے لیے طاقِ نسیان ہوں میں

کھڑے کان ہوتے ہیں گھوڑوں کے مجھ سے
کہ وہ سنتے ہیں گھوڑوں کے کان ہوں میں

جو ہے جاں ستاں روگ - ہوں نوش دارو
جو ہے لادوا درد - درمان ہوں میں

مجھے دیکھکر برص کا رنگ فق ہو
کچھ ایسا کہ خود جس سے حیران ہوں میں

برس کیا منٹ دو منٹ بھی نہ ٹھہرے
کہے ڈر کے رخصت اسی آن ہوں میں

جذام ایسا گھبرائے - سر پانو بھولے
کہے اب کوئی دم کا مہمان ہوں میں

جو دیکھے کہ ساماں بُرے ہیں تو بولے
اُٹھاتا ابھی اپنا سامان ہوں میں

بنائے ہیں سب حاذق الملک میرے
شریف اور محمود دوران ہوں میں

یہ لکھا ہوا ہے مرے ہر ورق پر
پڑھو موجزِ علم ابدان ہوں میں

نہیں مجھ سے بہتر کوئی شرحِ قانون
افاضاتِ دانائے گیلان ہوں میں

رہی ہے مری نازنینوں سے صحبت
جبھی نازنیں دھان اور پان ہوں میں

بگڑ کر خدارا نہ یوں منہ پھلاؤ
ادھر منہ کرو جانِ جاں پان ہوں میں

ہوتا سرخ روئے جوانوں کو اپنے
لڑاتا کبھی بن کے کپتان ہوں میں

عدو میری چوٹوں سے خوں تھوکتے ہیں
نہیں رزم - گرزِ نریمان ہوں میں

اٹھاؤ نہ تم قتل کا میرے بیڑا
کہ نازِ بنی نوعِ انسان ہوں میں

نہ چلّی کی صورت بنو دانت پیسو
کہ دانے کی صورت پریشان ہوں میں

نہ مانو تو خود منہ تمھارا دُکھے گا
جو مانو تو مرہونِ احسان ہوں میں

ہیں باتیں مری لعل سے بیش قیمت
سنو دور اندیش انسان ہوں میں

خوش اخلاقیوں سے ہنسو مسکراؤ
کہ خوش خوش اداؤں پہ قربان ہوں میں

ہنسی سے بنوں منہ پہ پھولوں کی ٹہنی
تبسّم سے گلچیں کا دامان ہوں میں

بلا سے ہسی کی اندھیری ہے چھائی
تجلّی سے روشن شبستان ہوں میں

یمن ہوں اگر زینتِ لعل لب ہوں
عدن ہوں اگر زیب دندان ہوں میں

نکلتا ہے منہ سے مرے اللہ اللہ
پھراتا جو تسبیح مرجان ہوں میں

ہے تحریر اللہ رنگ اپنا سبحاں
لیے سبحہ جوں نونِ سبحان ہوں میں

ہوں سادہ ورق سادہ لوحوں کے آگے
مگر دفترِ اہلِ عرفان ہوں میں

تکلّم کہ ہونٹوں کا لوں مڑ کے بوسہ
تبسّم کہ دانتوں پہ قربان ہوں میں

مری بیل ہے وہ منڈھے چڑھنے والی
وہ بوٹا جو چڑھتا ہے پروان ہوں میں

ہیں ظلمات زا ملمیاں خضر صورت
لیے جام میں آبِ حیوان ہوں میں

وہ ہے حسن سبزا اور خطِ سبز میرا
کہ ہو رائے صائب تو دیوان ہوں میں

سمجھتے ہیں کچھ لوگ صاحب کا بنگلہ
اگرچہ نہ کمرہ نہ دالان ہوں میں

بتاتے ہیں کچھ لوگ بنگالی مجھ کو
کہ بنگلے کا پورا زباں دان ہوں میں

نہ بنگلہ کہ ہے کل زبانوں پہ قدرت
عجب بلگرامی زباں دان ہوں میں

بنائی خدا نے مری دل کی صورت
جبھی سینے سینے کا ارمان ہوں میں

نہیں خاص داں ہی یہ وہ قلبِ مومن
کہ جس میں پڑا نورِ ایمان ہوں میں

نہیں سانچ کو آنچ ساچی کے مُنہ سے
سکھاتا سچائی کی پہچان ہوں میں

حیا مجھکو کیا کیا سمیٹے ہوئے ہے
عفیفوں کی عفّت کا دامان ہوں میں

سپیدی سے اقبال کی ہوں نشانی
ترقی کے۔سبزی سے سامان ہوں میں

کبھی ہوں مری غنچہ ساں جمع خاطر
کبھی مثلِ سُنبل پریشان ہوں میں

کھُلاتا کہیں ہوں گرہ دوستی کی
بندھاتا کہیں عہد و پیمان ہوں میں

نہیں آدمی پھر بھی ہے آدمیّت
پری ہوں نہ جن ہوں نہ شیطان ہوں میں

مجھے بھی خدا نے مری جان دی ہے
سمجھنا نہ ایسا کہ بے جان ہوں میں

جو انسان ہو مجھکو حیواں نہ سمجھو
ہے انسانیت مجھ میں۔انسان ہوں میں

زمانے کے اخلاق ہیں بند مجھ میں
تواضع۔سخا۔جود۔احسان ہوں میں

خیالاتِ شہباز ہیں۔اور ہیں شہپر
سرِ عرش تک وقفِ طیران ہوں میں

پروفیسر شہباز کے پیارے خیالات

(بوسہ)

(۱) تمہید۔سماں

بتاؤں یہ کیوں میں۔کدھر تھا۔کہاں تھا
جہاں تھا مگر اک سُہانا سماں تھا

لگن شبھ گھڑی لے کے آئی ہوئی تھی
سُہانی سی اک رات چھائی ہوئی تھی

طرب کی ہر اک فرع کی اصل تھی وہ
کہا کہکشاں نے شبِ وصل تھی وہ

کہاں چاندنی پر بچھی چاندنی تھی
کھلی چودھویں رات کی چاندنی تھی

ستارے بھی تھے ٹمٹماتے ہوئے سے
نظر آتے آتے نہ آتے ہوئے سے

کیے تھا عجب شان سے بالکنا یہ
مہِ چاردہ سرو کے سر پہ سایہ

کھلیں تھیں تماشے کو نرگس کی آنکھیں
تماشے سے روشن تھیں ہر حس کی آنکھیں

کھلے پاس زنبق کے دو سرخ گل تھے
بھرے جس میں خوشبو کے سامان کل تھے

نہ زنبق نہ گل زینتِ گلستاں تھے
دھرے پاس بینی کے دو عطرداں تھے

لپٹ تھی اُدھر مشک و عنبر کی آتی
اِدھر تھی جو خوشبوئے گل تر کی آتی

نکالے ہوئے سیب تھا اپنی ٹھوڑی
کرے جھک کے تا باغ کی سیر تھوڑی

غضب دل میں ارماں سمائے ہوئے تھے
انارین بھی سر اُٹھائے ہوئے تھے

لگائے ہوئے کان تھے پھول دونوں
کہ تھے راگ میں لعل مشغول دونوں

سماں یہ تھا اور سو رہی تھی خدائی
خموشی نے تقریرِ شیریں سُنائی

(۲) میرے وجود کی نسبت حکما میں اختلاف

کھلے جس جگہ عقل و حکمت کے لب ہیں
پڑے اختلافات باہم غضب ہیں

لبوں پر تکلم کے کیا کیا سخن ہیں
ہیں اُتنی ہی باتیں کہ جتنے دہن ہیں

ہی کہتا کوئی میں نہیں ہوں نہیں ہوں
ہی کہتا کوئی ہر جگہ۔ ہر کہیں ہوں

وجود و عدم کے ہیں جھگڑے یہاں بھی
مسائل گئے خوب رگڑے یہاں بھی

خدا بن کے جن میں سمایا عدم ہی
وجود اُن کا زیرِ سماں کالعدم ہی

جو طوفانِ حجت میں ہیں یاں وجودی
ہی ممکن ملے اُن کی کشتی کو جودی

سمجھتے ہیں مجھ کو وجودِ خیالی
نہیں پھر بھی کوئی مکاں مجھ سے خالی

ہی بجز خیال اُن کا طغیانیوں پر
لبوں پر ہوں ہاتھوں پہ پیشانیوں پہ

عناصر ہیں اشبہ بہت ہوں ہوا سے
پہ دبتا نہیں آتش شعلہ زا سے

یہ سُن کر بڑھے تاکہ ہوں مجھ پہ حادی
جو کرتے ہیں تحلیل یاں کیمیاوی

جنھیں کیمیا کا تصوّر نہیں ہی
ہوا جن کی آنکھوں میں عنصر نہیں ہی

اُڑے نطق سے بجلیوں کے شرارے
الگ ہو گئے میرے اجزا وہ سارے

نظر پھر تو آنے لگے سب کو دو جن
اُدھر آکسی جن اُدھر نائٹروجن

بتایا پھر اُس عالم کیمیا نے
کہ بخشی ہی قدرت سب ان کو خدا نے

پڑے زہر امرت ہیں مٹھی میں ان کی
فنا و بقا دونوں مٹھی میں ان کی

جو بھڑکائے ایک آتش زندگانی
تو وہ دوسرا پھیر دے اُس پہ پانی

کرے ایک روشن اگر شمع گل ہو
جہاں دوسرا آئے ہر شمع گُل ہو

اگر اس کو لپکا ہی آتش زنی کا
وہ ہونے نہ دے بال اک حسن کا بیکا

نیستاں میں گر آگ ہی اک لگاتا
تو وہ دوسرا آن کر ہی بجھاتا

شرر میں انھیں کے ہیں جلوے بقا کے
ہوا میں انھیں کے ہیں جھونکے فنا کے

یہ دنیا ہی سنبھلی انھیں دو کے دم سے
برابر ہیں پلّے وجود و عدم کے

نہیں راہ پر جو کہ گمرہ ہی ان سے
ہوا ہی جو اشبہ ہی ان سے

اگرچہ بظاہر وہ مرئی نہو گا
مزوں سے ولیکن وہ خالی نہ ہو گا

ہی گر نائٹروجن کی شرکت زیادہ
تو شورے کی سی ہو گی لذّت زیادہ

اگر آکسیجن کی ہی اُس میں شدّت
مزہ دے رہی ہو گی اُس میں حموضت[5]

غرض جو ہو وہ شی کبھی شورہ زا ہی
کبھی شورہ زا وہ حموضت فزا ہی

۵ ترشی ۱۲

غلط ہی جو کہتا ہی میٹھا نہ کھٹّا — ہی تحقیق سے دور اُلّو کا پٹھا
ہو اُس میں گر چھوڑتی ہی پٹاخا — مزوں کا ضرور اُس میں ہو گا چٹاخا

(۳) میری لذّت

سنو یار! نکتہ یہ مُنہ چومنے کا — کہ کھٹّا نہ میٹھا مگر ہوں مزے کا
لبوں کی طرح ہی یہ مضمونِ رنگیں — سمجھتے ہیں فرہاد وش مجھکو شیریں
نہ ہوں گرچہ میٹھا نہ ہوں گو سلونا — مرا خوانِ خوبی پہ لازم ہی ہونا
سمجھتے ہیں نامرد گو مجھکو پھیکا — ہی میرے ہی سر فتح مندی کا ٹیکا
ہو میٹھا اگر مُنہ تو میٹھا بھی ہوں میں — ہو بگڑا اگر منہ تو کھٹّا بھی ہوں میں
ترش میں ہوں چینِ جبیں سے زیادہ — حلاوت میں ہوں انگبیں سے زیادہ
ملاحت ہی مجھ میں نمک آکے بھرتی — ادا مجھکو قندِ مکرر ہی کرتی
اگر لب ہوں مے گوں تو مے کا مزہ ہی — غرض مجھ میں ہر ایک شے کا مزہ ہی

(۴) میرا وطن

سُنا ہی کہ ہر دل وطن کو ہی کھنچتا — مرا دل بدخشاں۔ یمن کو ہی کھنچتا
اگر ٹھیک ہی جذبِ دل کی گواہی — دکھادے بدخشاں۔ یمن پھر الٰہی
مگر اس پہ خدشے ہیں اک فلسفی کے — وطن دو تو ہوتے نہیں آدمی کے
یہاں جذب کی کچھ نہیں پیش جاتی — سمجھ میں ہی پر ایک "تاویل" آتی
یمن میں اگر میری ددھیال ہوگی — بدخشاں میں ممکن ہی ننھیال ہوگی
غرض میں عرب میں یمن کا عرب ہوں — عجم میں بدخشاں کا عالی نسب ہوں
جو دادا ہی میرا اسہیلِ یمانی — ہی خورشید نانا۔ شعاع اُس کی نانی
چچا ہی یمن میں اگر لالِ میرا — بدخشاں میں یاقوت ہی خال میرا

مرے سکے رائج یہاں ہر کہیں ہیں — عرب اور عجم دونوں زیرِ نگیں ہیں

نئی تحقیق

نیا دور ہے یہ - نیا ہے زمانہ — نہیں کوئی سنتا پرانا فسانہ
تو تحقیق تازہ بھی اب مجھ سے سن لو — یہ دانے ہیں یاقوت کے ان کو چن لو
بھرا ذکر سے ہے مرے ٹائمز کل کا — چھپا جس میں مضمون ہے سر لپل کا
بڑے زور سے وہ دکھاتے ہیں سب کو — نہیں کوئی مجھ سے تعلق عرب کو
عجم میں بھی ان کو سراسر سخن ہے — حقیقت جو پوچھو تو برہما وطن ہے
برہمن نہ چھتری نہ رجپوت کا ہوں — جگر لعل کا - لال یاقوت کا ہوں

(۵) میری جہانگیری

پہاڑوں کے دامن میں گو میں پلا ہوں — مگر ایک شہدا چھنٹا شہر کا ہوں
ہوئی تربیت گو مری جنگلیوں میں — چمکتا ہوں تہذیب کی بجلیوں میں
بڑھاتا ہوں میں ہاتھ شیریں لبوں پر — کبھی ہوں لبوں پر کبھی غبغبوں پر
قدم پر کبھی ہوں کبھی ہوں جبیں پر — فلک پر کبھی ہوں کبھی ہوں زمیں پر
کبھی میں ہوں گالوں پہ گل ہو کے کھلتا — کبھی ہوں لبوں سے میں لب بن کے ملتا
کبھی کام میں رشکِ عناب ہوں میں — کبھی شوق میں شکلِ سیماب ہوں میں
چٹک میری غنچوں سے ہے بات کرتی — چہک میری بلبل کو ہے مات کرتی
شرابوں میں حدت سے میری نشہ ہے — کبابوں میں لذت سے میری مزا ہے
کیے گرم ہیں سارے بازار میرے — جدھر دیکھو - ہیں سب خریدار میرے
مری بیل ہے بزم کے کارپٹ میں — مری جنس ہے شوق کے مارکٹ میں

سر آنکھوں پہ شہری ہیں مجھکو بٹھاتے
ہیں تہذیب کی مجھ سے تعلیم پاتے

جہاں بزم رنگیں ہے - رنگیں ہے مجھ سے
جہاں لعل شیریں ہے - شیریں ہے مجھ سے

مزہ ہے ہر اک دل کو میری لگن میں
مری شمع روشن ہے ہر انجمن میں

اگرچہ مری اصل ہے ایشیائی
مری لیک یورپ میں بھی ہے رسائی

رسائی نہیں پادشاہی ہے میری
پھری یاں سے واں تک دہائی ہے میری

اگر جایئے خانگی سرکلوں میں
تو واں بھی مری چاؤ ہے سب دلوں میں

مرا شوق ہے دل میں آیا کہ آیا
مرا میم صاحب کے سر پر ہے سایا

وہ صاحب جو مونچھوں کو سلجھا رہا ہے
وہ مونچھیں نہیں ہیں - مرا گھونسلا ہے

بہ تشبیہ مونچھوں کو دو شہپروں سے
مزے سے کہوں لو اکڑ و شہپروں سے

نہیں روز کی مس کے گالوں پہ لالی
بنا کشت وخوں کی ہے واں میں نے ڈالی

پڑے گا یہیں آکے رن کورٹ شپ کا
ڈیسائڈ آکے ہوگا یہیں فیٹ لپ کا

ادھر چند صاحب کے با با کھڑے ہیں
ادھر نرسری میں بھی بعضے پڑے ہیں

کھڑے بھی کھڑے ہیں مری راہ تکتے
پڑے بھی مری یاد میں ہیں بلکتے

کسی کے لیے دودھ کا گھونٹ ہوں میں
کسی کے لیے کمبل کا اونٹ ہوں میں

کسی لونڈے کے گال پہ ہوں لونڈر
کہیں بالے ہونٹوں پہ ہوں بالی شوگر

اگر چھوڑ کر گھر کو پبلک میں آؤں
عمل میرا چلتا ہوا واں بھی پاؤں

بچائے ہزاروں کے ہیں نوٹ میں نے
ہزاروں کو دلوائے ہیں ووٹ میں نے

ہے رکھا گرو ہوں کہ ہاتھوں میں میں نے
وزارت بدل دی ہے باتوں میں میں نے

وزارت پہ کیوں ہے تمھیں اتنی حیرت
وزارت بدل دی ہے یورپ کی قسمت

ہنسوں جس جگہ ہاتھ کندھوں پہ رکھ کر
تو واں عقل بسمارک کو آئے چکر

سفیروں کے ہیں ہوش کھوتا رہا ہوں
سفارت کے موتی پروتا رہا ہوں

نہیں راز مخفی وہاں۔ میں جہاں ہوں
فرشتوں کے میں راز کا راز داں ہوں

دکاں جس جگہ بیٹھ کر کھول دوں میں
ٹکے سیر ہر راز داں تول دوں میں

مُدبّر۔ مقرر۔ بہادر۔ جری ہوں
پلوڈن۔ گریفن۔ کرومر۔ کری ہوں

بڑھی سب سے ہے بلکہ تدبیر میری
یہاں تک کہ قائل ہے تقدیر میری

ہے صدقہ مرا اہلِ یورپ کی صولت
یہ دولت ہے دنیا کی میری بدولت

جڑے قفل قلعوں کے کھلتے رہے ہیں
لبوں سے بتاسوں کے گھلتے رہے ہیں

لبوں سے شجاعت کی کاٹوں زرہ میں
لبوں سے سفارت کی کھولوں گرہ میں

(۶) میری خوش عقیدگی

مذاہب کے آگے بھی ہے قدر و قیمت
عجب ذات والا ہے میری غنیمت

لگا رات دن ارض کی سیر میں ہوں
حرم میں کبھی ہوں کبھی دیر میں ہوں

نہیں منحصر دہلی و ملتان پر
جھکی ہے جبیں میری ہر آستاں پر

مجھے کچھ ہی تم قبلہ و کعبہ سمجھو
لبوں کا مگر کعبہ و قبلہ سمجھو

دلوں کے حرم ہیں جہاں محترم ہوں
لگن میں لبوں کے میں شمع حرم ہوں

سفیدی مری سنگ اسود کے منہ پر
اڑائے ہوائی زبرجد کے منہ پر

عقیدت کے زیور میں گھڑتا ہوں اس کے
لبوں کے میں یاقوت جڑتا ہوں اس پر

وہ لب جن پہ یاقوت کی رال ٹپکے
وہ لب جن پہ سو جان سے لال لپکے

وہ لب گھونٹ ہیں جو مے وانگبیں کے
وہ لب جو جھروکے ہیں خلدِ بریں کے

(۷) میری القاب

اگرچہ سخنور کی نازک خیالی
نہیں پاتی ناموں میں مضمون عالی

عجب فلسفہ بند ناموں میں بھی ہے / جو ناموں کو سمجھے بڑا فلسفی ہے

سنا ہے یہ میں نے کسی فلسفی سے / نہیں دور شاید بہت راستی سے

مسمیٰ وہ جس کے ہیں اسما زیادہ / جہاں میں اُسی کا ہے رتبا زیادہ

یہ جس کلیے کی ہے تمہید کرتا / ہے مذہب بھی کچھ اُس کی تائید کرتا

زباں ایک ہے نو بہ نو زمزمے ہیں / خدا ایک ہے - نام ننانوے ہیں

خدا سے ملاؤں یہ کیا اپنا مُنہ ہے / بڑی بات ہے اور چھوٹا سا مُنہ ہے

مگر پھر بھی یاں تک چڑھا اور بڑھا ہوں / خدا کے خلیفہ کا میں مُنہ چڑھا ہوں

لبوں سے لگے عیش کے جام بھی ہیں / اسی سے زیادہ مرے نام بھی ہیں

جہاں باتیں وصل اچھی اچھی ہے کہتا / مجھے میٹھے مُنہ سے وہ چُمّی ہے کہتا

نہ آبِ صفا ہے - نہ چاہِ ذقن ہے / چھلکتا ہوا مجھ سے چُمّی بھون ہے

خدا جانے کیا ہے لبِ یار کہتا / مگر دل تو ہے پیار سے پیار کہتا

کہیں گال پر پھیر کر ہاتھ شوخی / شرارت سے مجھ کو بتاتی ہے بتّی

کہیں چوم کر چاؤ سے گال مس کا / ہے دیتا لقب ٹھینک یو مجھ کو کس کا

کبھی میں ہوں موٹا کبھی میں ہوں دُبلا / کہیں میں ہوں کس اور کہیں میں ہوں قبلا

کہیں جبکہ بلبل کا مُنہ گل نے چوما / چہک کر کہا لب کی بلبل نے چوما

کہاں تک مشیخت کہاں تک تعلّی / نہ لے لن ترانی کی دکھلا تجلّی

کنایوں کو کر جلد رخصت صراحت / صراحت کا مُنہ چوم لے اب فصاحت

ہوں بیسن کا مطبخ میں لوکے سنبوسہ / میں بوسہ ہوں بوسہ ہوں بوسہ ہوں بوسہ

پروفیسر شہباز کے رنگین خیالات
بہار کی آمد آمد

(۱) لیل و نہار کی آمد

عجب فصل یہ خوش گوار آ رہی ہے — بسنت آ چکا ہے بہار آ رہی ہے
جلو میں لیے فوجِ رومی و زنگی — وہ رنگی لیل و نہار آ رہی ہے
شعاعوں سے دن زر فشاں بن رہا ہے — ستاروں سے شب زرنگار آ رہی ہے
نہیں دھوپ - سوئے خلیلِ زمانہ — لیے تازہ گلزار نار آ رہی ہے
کہاں چاندنی روح افروز رحمت — سوئے بندۂ شرمسار آ رہی ہے
جو اوڑھے ہوئے چاندنی کا دوپٹا — ادھر کا گلِ تاب دار آ رہی ہے
ادھر دھوپ کا بر میں جھمکا ہے سایہ — رخ افروزیِ گلعذار آ رہی ہے
نہیں شام - شانوں سے لے کر قدم تک — بکھرتی ہوئی زلفِ یار آ رہی ہے
نہیں صبح - حسنِ تبسم کی سرخی — نکھرتی سوئے گلعذار آ رہی ہے
بدلتی ہوئی بھیس شام و سحر کا — یہ خود قدرتِ کردگار آ رہی ہے
شباب آ رہا ہے وہ پیرِ فلک کا — خزاں جا رہی ہے بہار آ رہی ہے
وہ روئے زمیں ہے کہ با ایں نقاہت — جھکی گردنِ روزگار آ رہی ہے

(۲) باغ کی بہار

سناتی ہے بلبل ہمیں یہ چہک کر — کوئی پھول سی گلعذار آ رہی ہے
دکھانے کو یاروں کو سج دھج عنائی — لچکتی وہ شاخِ چنار آ رہی ہے

ابھرنے کو ہی جلد اناروں کا جوبن
جوانی پہ شاخِ انار آ رہی ہے

عجب لطف سے باغ میں نکہتِ گل
نسیم و صبا پر سوار آ رہی ہے

ہوا سے کہیں زلفِ سنبل بکھر کر
خطا کی طرح مشک بار آ رہی ہے

کہیں آبِ شبنم سے سوسن نکھر کر
ختن وار عنبر نثار آ رہی ہے

بچھائی ہیں نرگس نے آنکھیں کہ اُس کو
بہت لذتِ انتظار آ رہی ہے

نہیں ہے یہ سورج مکھی۔ کوئی شاہد
بغل میں دبائے ستار آ رہی ہے

کرن پیچھے پیچھے وہ سورج کی اُس پر
چڑھانے کو سونے کے تار آ رہی ہے

رہے گی بہت نوک جھوک آبلوں سے
جنوں باغ میں نوکِ خار آ رہی ہے

(۳) چڑیوں کی بہار

عجب ٹھاٹھ سے وہ گلے کو لگائے
لیے لَے کو صوتِ ہزار آ رہی ہے

اکڑتی ہوئی پھر طاؤس و ہُد ہُد
خود آرائیِ تاج دار آ رہی ہے

چمن گونج اُٹھے گا حق سرہ سے
چلی قمریوں کی قطار آ رہی ہے

نہیں دور وہ دن کہ کانوں میں گل کے
پیا پیے وہ پی کی پکار آ رہی ہے

ادھر جا رہا ہے پپیہا جو مضطر
اُدھر کو کلا سنے قرار آ رہی ہے

اُدھر ٹیڑھی بانسلی سے سناتی
اُدھر کوک دابے ستار آ رہی ہے

(۴) خواہشوں کی بہار

نئی روح پھُنکنے کو ہے جان۔ تن میں
نئی زندگی۔ جسمِ زار آ رہی ہے

اُمنگوں کے قالب میں دل میں تمنا
بہت آ رہی۔ بیشمار آ رہی ہے

ٹپکنے کو ہے رال شبنم کی گل پر
ہنسی گل کو بے اختیار آ رہی ہے

(۵) مئے نوشیوں کی بہار

چھلکنے کو ہے صبح گل کی گلابی	وہ شبنم کی مئے نے خمار آ رہی ہے
گرانے کو خرمن پہ تقوے کے بجلی	ہوا پر گھٹا برق وار آ رہی ہے
سوئے مے کدہ سر سے پگڑی کے لپٹی	گرو ہونے کو اک انزار آ رہی ہے
مشیخت پہ جھکنے کو ہے مے فروشی	ارادت اگر بادہ خوار آ رہی ہے

(۶) سواری کی بہار

لچکتی نہیں باغ میں شاخ گل کی	یہ بیگم کوئی تاج دار آ رہی ہے
نہیں اشرفی بے سبب پھول بنتی	وہ ہونے کو گل پہ نثار آ رہی ہے

(۷) سپہ گری کی بہار

دو رویہ کھڑے سرو کے ہوں سپاہی	طراوت لبِ جوئبار آ رہی ہے
چٹانوں کے اوپر سے چڑھتی اُترتی	وہ موسیقیِ آبشار آ رہی ہے
بجاتی ہوئی بینڈ گوروں کی پلٹن	بڑھی جانبِ زنگبار آ رہی ہے

(۸) شاعری کی بہار

نہیں ہے یہ کاغذ سمندر سے سیپی	لیے گوہر آبدار آ رہی ہے
نہیں ہے یہ خامہ۔ گلستاں سے بلبل	لیے چونچ میں گل کے ہار آ رہی ہے
چہکتا نہیں ہے یہ شہباز بلبل	چہکتی ہوئی خود بہار آ رہی ہے

پروفیسر شہباز کے تہنیت آمیز خیالات

(عید)

رمضان! ساعتِ سعید آئی!
تین دن تک تھا انتظار اس کا
یہ فلک پر نہیں ہے نورِ ہلال
چھائی کب شام کی اندھیری ہے
نکلے کب چرخ پر یہ تارے ہیں
روشنی کب یہ کہکشاں کی ہے
صاف یہ دُر ہیں کان کا جھمکا
عقل [illegible] راہ بھولی ہوئی
دستک ہیں طرب فزائی کے

عید ملنے کو ہم سے عید آئی
دیکھا اب روئے گلعذار اس کا
وقفِ عشوہ یہی ہے حورِ جمال
زلف اسی ماہ نے بکھیری ہے
جھلکے افشاں کے یہ ستارے ہیں
بات سیدھی ہے مانگ سیدھی ہے
آبِ گوہر ہے نورِ انجم کا
کب شفق ہے بھلا یہ پھولی ہوئی
رنگ ہیں یہ کفِ حنائی کے

[illegible] بر مستی ہے
عید کی رات ہے نہ سو غافل
ہے سیاہی میں شام کی اک نور
پہلے تو کر لے خوب پیار اسے
اب جو دل میں یہ آ کے بیٹھی ہے
گرچہ مرحوم تھے بڑے دیندار
مہندی ہاتھوں میں یہ لگاتی ہے
کپڑے انواع بہ بدلتی ہے

عقل کیوں وقفِ فاقہ مستی ہے
داغ مے سے ریا کے دھو غافل
زلف کھولے ہوئے ہے عیش کی حور
خانۂ دل میں پھر اتار اسے
رمضاں کی یہ پیاری بیٹی ہے
پر یہ شہدن ہے اک چھٹی عیار
سرمہ آنکھوں میں یہ گھلاتی ہے
عاشقوں کو لبھائے جاتی ہے

ہر نمازی سے سازہی اس کو
مسجدوں میں یہ آ لپٹتی ہی
کوئی مسجد نہیں بچی اس سے
کہیں رُکتی نہ یہ اٹکتی ہی
ہی اماموں سے پانو پڑوا تی
زلف میں جتنے بال ہیں اس کے

بوسہ بازی نماز ہی اس کو
جس سے پاتی ہی جا چمٹتی ہی
ہر مصلّے سے دل لگی اس سے
عید گاہوں میں جا دھمکتی ہی
اونچی ناکیں ہی یہ رگڑواتی
اُتنے آشفتہ حال ہیں اس کے

کس قدر ہی مقام عبرت کا
دھوم ہی فسق اور بطالت کی
تھی تراویح کی جہاں تسبیح
فاقہ مست اب ہیں وقف بدمستی
دل جلاتے ہیں زاہدوں کے کباب
چار قل کا پڑا جہاں غل تھا
جس جگہ تھی نماز وقف درود
لطف تھا جس جگہ تلاوت کا
تھا مصلّے جہاں بچھا حافظ
کیا زمانے کی ہی یہ نیرنگی
دین کی کون یاں جراب لے

ذکر تھا جس جگہ عبادت کا
رہ گئی آڑ ہی عبادت کی
چل رہی ہی وہاں مئے تفضیح
بہہ گئی مئے سے زہد کی لبتنی
خوں بہاتی ہی عابدوں کی شراب
واں ہی مینا سے شور قلقل کا
رند ہیں واں نشے میں سربسجود
نغمہ ہی واں ترانہ دھرپت کا
ہیں وہاں رنڈیاں خدا حافظ
آ گئی کس جگہ ہیں سارنگی
کمر شیخ سے بندھے طبلے

واہ حضرت یہ کیا کیا تم نے
ایسی عبرت انہیں مبارک ہو

ہنستے ہنستے رلا دیا تم نے
جن کی جاں افزا تبارک ہو

ہم تو حافظ نہ کوئی مُلّا ہیں
دل سے مغموم ہو نہیں سکتے
کہیں آفت نہ کوئی آ جائے
عیش ہی گر کلی ہی دل کی کھلی
ہیں یہی عیش و وصل یار کے دن
مت ڈرا گل کو خار نوکوں سے
گل مہکتے ہیں گر مہکنے دے
شہر کی فکر سے نہ ہو لاغر
ستارِ گل گر کوئی کھلتی ہی
گل چٹکتا ہی گر چٹکنے دے
کھینچئے کیوں خزاں کا ہو فوٹو

اچھّے خاصے جوان رعنا ہیں
چاہیں رونا تو رو نہیں سکتے
ہنسنے دو جب تلک ہنسا جائے
واقعی زندگی ہی زندہ دلی
گل کھلیں کیوں نہ۔ ہیں بہار کے دن
جھومنے دے ہوا کے جھونکوں سے
بلبلوں کو ذرا چہکنے دے
گر چھلکتے ہیں پھول کے ساغر
تیری پگڑی نہیں اُچھلتی ہی
نہیں لینی وہ کچھ چھلکنے دے
آ و لذّت بہار کی لوٹو

ایک دو جام پی شراب ضرور
قال شہباز ربّنا الغفور

پروفیسر شہباز کے بازیچہ انگیز خیالات

کھیل ہی یہ عجب دھڑتّے کا — کام ہی اس میں بانہ بلّے کا
جب لگے ایک ہاتھ بلّے کا — شور ہو صلّے اور جلّے کا
عیش تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا
گیند گھر ڈھا کے رکھ دے چھلّے کا — بلّا رکفل ہی اچھے سپلّے کا

کھیل گویا ہی وقت ہلّے کا　　ڈھیر ہو گا سر اور کلّے کا

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

کھیل پھیلا ہی گیند بلّے کا　　کام یاں کیا بھلا مصلّے کا
شیخ سے پوچھو بھاؤ غلّے کا　　ہی یہ اک مسخرہ محلّے کا

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

اس کی ہی سب دلوں میں دھاک پڑی　　دہشت اس کی ہی بازیوں میں بڑی
جب کہ اس نے مٹس کی ڈھول جڑی　　بھاگی سر کو بچا کے گیند تڑی

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

گیند زوری سے آتے جاتے ہیں　　برق کی پھرتیاں دکھاتے ہیں
ضرب پہ ضرب سر پہ کھاتے ہیں　　اس پہ بھی منہ نہیں پھراتے ہیں

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

کبھی رکتے کبھی جھجکتے ہیں　　کبھی دبتے کبھی چمکتے ہیں
دوڑتے ہیں کبھی اچکتے ہیں　　ناچتے ہیں کبھی لچکتے ہیں

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

اونچے جا کر یہ نیچے آتے ہیں　　آگے جا کر یہ پیچھے آتے ہیں
ترچھے جا کر یہ الٹے آتے ہیں　　سیدھے جا کر یہ آڑے آتے ہیں

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

دل ربا ان کی ہیں مناجاتیں — کرتے ہیں آسمان سے باتیں
دل کے لینے کی یاد سب گھاتیں — لطف ہیں ہیں یہ وصل کی راتیں

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

رجعت قہقری میں طرز شہاب — دھوپ کہتی ہی برق چھاؤں سحاب
شیخ سمجھیں اسے خیال کہ خواب — آسماں سے اُتر رہا ہی ثواب

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

چرخ پر جیسے کمان بنی — نہ زباں پر خدا کی شان بنی
بات کی ساری آن بان بنی — جان پر جانتی ہی جان بنی

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

پوچھو گیندوں کی تم نہ مجھسے صفات — دل لُبھانا ہی ان کو ادنےٰ بات
جس طرف رُخ کریں یہ مثلِ نبات — لیتے ہیں لوگ ان کو ہاتھوں ہات

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

کیا ہیں یہ موتی چور کے لڈّو — جن پہ ہیں اس مزے سے سب لٹّو
گو کرے کوئی مار کر اُلّو — لوٹ کر ہاتھ سے نہ چھوڑیں کبھو

عیشِ تہذیب کے محلّے کا

خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

جسکو ہاتھ آئے یہ اُچھل وہ پڑا — جیسے ہاتھ آیا کوئی ملک بڑا
کوئی تعریف کر رہا ہی پڑا — کوئی شاباش دے رہا ہی کھڑا

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

پہلے خود کو ذرا سنبھال لیا — گیند کا بعد ازاں خیال کیا
اُچھلے جب گیند نے نہال کیا — گیند کو بھی ذرا اُچھال دیا

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

گیند کب ایک جا کہیں پر ہیں — آسماں پر کبھی زمیں پر ہیں
گہ یار اور گہے ہمیں پر ہیں — کبھی سر پر کبھی جبیں پر ہیں

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

بیقراری میں سر بسر سیماب — برق کی طرح ہر جگہ بے تاب
گر زمیں پر ہی ہی زمیں وہ شتاب — ہاتھ میں بھی ہی گر تو پا بر کاب

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

دیکھ اس خوش جبین کی گردش — گردِ چشمِ حسین کی گردش
اس میں ہی دوربین کی گردش — ثابت اس سے زمین کی گردش

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

دَور میں اس کے علم و فن کا حصار　　اس کے مرکز پہ ہندسے کا مدار
قوس سے اس کے صید شوق شکار　　قطر کے اس کے تشنہ لب افطار

عیش تہذیب کے محلے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

جب تلک ہوں نہ پورے چودہ روز　　ماہ کا گیند ہو نہ مہر افروز
کیوں نہ ہو دل میں ماہتاب کے سوز　　چودھویں شب ہی گیند کو ہر روز

عیش تہذیب کے محلے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

خربزے کو ادب بٹھائے پرے　　شرم سے سیب بھی نہ بات کرے
پیڑ ان کے رہیں الٰہی ہرے　　باغ صحت کے ہیں یہ سنگترے

عیش تہذیب کے محلے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

بلّے کے چلنے سے یہ جڑتے ہیں　　تیر کی طرح جا کے مڑتے ہیں
برق کی شہپروں سے اڑتے ہیں　　می ٹپکتی ہی جب پکڑتے ہیں

عیش تہذیب کے محلے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

بلّے رکھتے ہیں ایسے ڈنڈ بلّے　　جن سے دبتے ہیں تیکھے اور چھلّے
جس گھڑی ان کے ہو گئے بلّے　　ڈھیر ہی ڈھیر ہیں سرا و سلّے

عیش تہذیب کے محلے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

ان کے قبضہ میں دل نشینی ہی　　گو نہ ہو آنکھ دور بینی ہی

ہر طرح صحّت آفریں ہے ان کی لکڑی میں چوب چینی ہے
عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہے کھیل گیند بلّے کا

دور سے جب دکھاتے ہیں جھلکی جھلک ان کی ہے صاف بوتل کی
بوند کب یہ پسینے کی ڈھلکی مے ہے صحّت کے جام سے چھلکی
عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہے کھیل گیند بلّے کا

جھک کے کہتی ہے حور کی گردن نور کا تن ہے نور کی گردن
نہ جھکی گر بلور کی گردن مارے بلّوں کے چور کی گردن
عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہے کھیل گیند بلّے کا

وارنش کا عجیب روغن ہے جس سے لکڑی بھی شمع روشن ہے
پھیلتا اس سے نور چھن چھن ہے روشنی تن ہے نور گردن ہے
عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہے کھیل گیند بلّے کا

کچھ عجب داؤ گھات کرتے ہیں دن حریفوں کے رات کرتے ہیں
جب کہ گیندوں سے بات کرتے ہیں یہ طپنچوں کو مات کرتے ہیں
عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہے کھیل گیند بلّے کا

وار چلتے ہیں ان کے جب زن زن دم سٹکتے ہیں یاروں کے سن سن
ڈالتے رن ہیں کھیلے جب زن زن کام سارے بگڑتے ہیں بن بن

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

ظلم ہیں بولی ٹھولیاں ان کی
موت ہی ہیں ٹھٹھولیاں ان کی
رعد کڑکا ہیں بولیاں ان کی
برق تڑپائیں گولیاں ان کی

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

کام کے اپنے ہیں بڑے پکّے
بیٹھتے یہ نہیں کبھی تھک کے
دیکے گیندوں کو سو طرح دھکّے
ہیں چھڑاتے حریفوں کے چھکّے

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

بلّے جرأت کو گر نہ دیتے راہ
حال ہوتا بہت وکٹ کا تباہ
تھا جو بلّوں کے حال سے آگاہ
آڑ میں ان کے لی وکٹ نے پناہ

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

اس سے صحّت کو وجہِ نازش و ناز
زندگی کو پیامِ عمر دراز
شوق کے اس میں بند راز و نیاز
یہی کرکٹ ہی حضرتِ شہباز

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

پروفیسر شہباز کے فکر و خیالات

آبِ رواں

(۱) سرچشمہ

الہ آباد میں خوبی سے آباد — (خدا رکھے ہمیشہ خرّم و شاد)
ہیں میر اکبر حسین اک دوست میرے — وہ جن کی نظم نے موتی بکھیرے
طبیعت میں بلا کی ہے روانی — غضب جاری ہے اس چشمے کا پانی
رواں ہر چند ہوں یورپ میں نہریں — دکھائیں ہند کی یہ اُن میں لہریں
فرنگی بحر گو آئینے لائیں — یہ ہندی شوخ کے جلوے دکھائیں
سمجھ لو سحر ہے کیسا بیاں میں — لڈورآیا چلا ہندوستاں میں
ہوے سودی کے انگلش زبانوں سے — فصاحت آشنا اُردو کے لہجے
کہاں ہیں چشمۂ سودی میں موجیں — یہ اُردوئے معلّٰی کی ہیں فوجیں
لیے ہاتھوں میں تیغ موج صافی — جمائے ہیں پرے مصدر قوافی
مسلسل نظم میں نے جب یہ دیکھی — اُٹھیں موجیں طبیعت میں خوشی کی
اُمنگوں پر بڑھیں دل میں اُمنگیں — ترنگوں پر ہوئیں پیدا ترنگیں
قلمداں پر سخن کا ہاتھ لپکا — قلم سے بوندیں بن کر شعر ٹپکا
کہاں ہیں تشنہ کامانِ معانی — پئیں حاضر ہے آبِ زندگانی

(۲) بہاؤ

اُڑا طرز خرام البیلیوں سے
کھلاتا، کھیلتا، ہنستا، ہنساتا،
مٹکتا، جھومتا، تنتا، اکڑتا،
جھلکتا، جھلملاتا، جگمگاتا،
دکھاتا زور، غل کرتا، کڑکتا
لپکتا، دوڑتا، پھرتی دکھاتا
اُچکتا، پھاندتا، گرتا، لُڑھکتا،
مچلتا، پاؤں پھیلاتا، بلکتا،
لرزتا، تھرتھراتا، تلملاتا،
سمٹتا، پھیلتا، مُڑتا، مُڑاتا،
کترتا، چھانٹتا، پُرزے اُڑاتا،
الف ہوتا، پڑا کاوے لگاتا،
کبھی گھوڑ دوڑ میں کف منہ پہ لاتا
گریباں چاک کرتا، سر پٹکتا،
اُٹھا کر سونڈ فوّارہ اُڑاتا
تڑپتا، لوٹتا، چڑھتا، اُترتا،
کھسکتا، بھاگتا، رُکتا، ٹھہرتا،
لپٹتا، چھیڑتا، چھوتا، چھُلاتا،
کبھی ڈنڑ پیلتا، جوڑی ہلاتا،

چلا آبِ رواں اٹھکیلیوں سے
تھرکتا، ناچتا، گاتا، بجاتا،
گرجتا، گونجتا، بنتا، بگڑتا،
پھسلتا، لڑکھڑاتا، ڈگمگاتا،
مچاتا شور، ڈانٹ اُٹھتا، جھڑکتا،
اُچھلتا، کودتا، چکّر لگاتا،
جھجکتا، روٹھتا، بھڑتا، بھڑکتا،
سہمتا، کانپتا، روتا، سسکتا
بلکتا، بلبلاتا، گڑگڑاتا،
اُبھرتا، ڈوبتا، اُڑتا، اُڑاتا،
کچلتا، کوٹتا، چھکّے چھُڑاتا،
دولتّی چھانٹتا، پٹنک اُڑاتا،
کبھی فوجوں میں گھُس کر ہن ہناتا
رگڑتا ایڑیاں، دامن جھٹکتا،
دھوئیں کے زور سے پارہ اُڑاتا
جھپٹتا، باؤلا ہوتا، بپھرتا،
جھٹکتا، جھاڑتا، بنتا، سنورتا،
چھڑکتا، چھینٹتا، دھوتا، دُھلاتا،
کبھی خم ٹھونکتا تیوری چڑھاتا

پہاڑوں کا کہیں دامن دباتا
صدف میں گوہرِ نایاب بھرتا
مشبّک چھالوں کا پھندا بناتا
زمرّد پر کہیں پارہ بچھاتا
ستاری چھیڑتا، ارگن بجاتا
اُلجھتا خار سے، گل سے اٹکتا
کٹر بجرے کو مرغابی بناتا
مکلّف میز پہ چادر بچھاتا
شگوفہ چھوڑتا، غصّہ چڑھاتا،
کبھی کھیتوں میں شاخِ زر لگاتا
جھلاتا، جھولتا، پینگیں بڑھاتا،
بھاگ پڑتا، سنکتا، سنسناتا،
بڑھاتا ہر طرف موجوں پہ موجیں
کبھی سیماب سے چاندی بناتا
پنہاتا شمس کو زرتار سائے
کھلاتا روز و شب سورج کو غوطے
زمیں کی گود میں گرداب بھرتا
بناتا مورچے، توپیں چڑھاتا
نگلتا سیپیاں، موتی اُگلتا
گراتا، پھینکتا، چھپتا، اُٹھاتا
کبھی اوجوں پہ پھیلاتا تباہی

درختوں کی کہیں شاخیں چباتا
گہر کی شیشیوں میں آب بھرتا
مُسلسل موج کا نقشہ جماتا
کہیں پارے کو فیروزہ اُڑھاتا
اِدھر حوریں اُدھر پریاں نچاتا
پچکتا، پھولتا، دبتا، سٹکتا
بشر کو مردمِ آبی بناتا
معلّق شہر کو دعوت کھلاتا
عداوت ڈالتا، مینڈھے لڑاتا
کبھی منڈی میں زر کو پر لگاتا
کڑکتا، چیختا، تانیں لگاتا
اُچک پڑتا، لپکتا، دندناتا،
چڑھاتا چار سو فوجوں پہ فوجیں
کبھی چاندی پہ لے سونا چڑھاتا
بناتا چاند سے چاندی کے پائے
اُڑاتا عقل کے ہاتھوں کے طوطے
بھنور کی ناند میں سیماب بھرتا
سجاتا پلٹنیں، فوجیں بڑھاتا
جماتا قفلیاں سانچے میں ڈھلتا
چمٹتا، چومتا، پلتا، سماتا،
کبھی موجوں پہ جھمکاتا سیاہی

کبھی پچکاریوں کا ڈالتا ڈھنگ
کبھی پتھر سے ٹکراتا ہوا سر
نگینے سنگ ریزوں کے بناتا

زباں بنکر کسی جا چاٹتا سنگ
کبھی ذرّوں پہ چمکاتا ہوا زر
طلسمی سرمہ آنکھوں میں لگاتا

(۳) سمندر اور اُس سے ہم آغوشی

غرض آبِ رواں یوں جہد کرتا
ہزاروں تازہ دم چشموں سے ملتا
جلو میں ندّیوں نالوں کو لیتا

ہر اک کوشش سے سو سو عہد کرتا
کروڑوں پیارے ہم چشموں سے ملتا
کروڑوں کشتیاں الفت کی کھینچتا

سمندر

بڑی ہی اک عظیم الشان شی سے
ہزاروں جس میں مخفی گنج شاہی
زیادہ جس کی گہرائی خرد سے
خیالوں سے بڑا پھیلاؤ جس کا
نگاہیں جس کا پایاں پا نہ سکتیں
فلک جس کے قدم لینے کو جھکتا
زمانے سے ہوا خواہ ابر جس کا
ستارے جس پہ شیدا ماہ مفتوں
گھٹا چمکی ہوئی جس کی بدولت
پہاڑوں کو جہاں روڑوں کا رتبہ
جہازوں کو جہاں قطرے نچاتے

پڑے جس میں کروڑوں ابن لمحے
کروڑوں جس میں اسرار الٰہی
عیاں جس کی اُنچائی شدّ و مد سے
سمیٹے خوبیاں سمٹاؤ جس کا
حدیں جس کا سرا بتلا نہ سکتیں
زمانہ جس پہ دم لینے کو رکتا
ہوا اک عاشقِ بے صبر جس کا
بلا گرداں جس کا مہر گردوں
شفق پھولی ہوئی جس کی بدولت
جہاں موروں سے کم گھوڑوں کا رتبہ
چٹانوں کو جہاں ذرّے نچاتے

جہاں ہر بوند بنتی بند ھیا چل
جہاں ہر موج جنتی سو ہما چل

جہاں طوفانِ نوح اک موجِ نوخیز
جہاں خود چشمِ قدرت حیرت آمیز

ہم آغوشی

عبارت مختصر اُٹھ کے سنبھل کے
مطابق فارسی کی اس مثل کے

کنند ہم جنس با ہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

بنا آبِ رواں اک قلزمِ جوش
ہوا آخر سمندر سے ہم آغوش

حسین ساگر

صفت وہ کونسی ہی شیخ حوضِ کوثر میں؟
نہیں بوجہ حسن جو حسین ساگر میں

اسی سے شہد کی بوتل میں ہی شرابِ شفا
اسی سے قند کا شربت ہی جامِ شکر میں

بنائیں اس کو ہم آئینۂ سکندر جب
کہ لہری ایسی ہوں آئینۂ سکندر میں

بکھر کے دوشِ مصفّا پہ لاکھ لہرائیں
صفائیاں یہ کہاں گیسوئے معنبر میں

نکل رہی ہیں لطافت سے موج کی سطریں
بھری ہوئی ہی بلاغت صبا کے مسطر میں

بناتی موجیں ہیں اس کی وہ خوش نما زریں
طلب ہی جن کی بہت تشنگی کے لشکر میں

شعاعِ مہر سے موجوں کے جگمگے پہلو
ہیں کو وہ نور جڑے صاف تاجِ قیصر میں

گلا سکے کوئی خوبی سے اس قدر چاندی
کہاں یہ اتنی سکت اوستادِ زرگر میں

کنوئیں میں سنتے تھے سیماب بند رہتا ہی
مگر یہاں تو ہی پھیلا ہوا سمندر میں

لگے وہ تیرنے آ کر غروب ہوتے ہی
ستارے جتنے تھے آباد قصرِ اخضر میں

فلک سے ہی کود پڑا یا کہ لیکے انجم کو
بلند بام سے دھم سے کسی سمندر میں

خوشی سے تیرتے پھرتے ہیں رات دن وہ طیور
طلسمِ بالِ ملائک ہے جن کے شہپر میں
سنائی دیتے ہیں سرخاب کے حزیں نالے
شبِ فراق لکھی جن کے ہے مقدّر میں
عجیب وضع سے مرغابیاں ہیں وقفِ ثنا
ہیں دھوپ چھاؤں لپیٹے گلے میں اور بر میں
دو چار ہوتے ہی کھنچ جائے ہو بہو تصویر
کمال اتنا کہاں ہے فوٹو گرافر میں

نہیں یہ حوض ہے شہباز شہر کا زیور
بھری ہیں آب کی جا خوبیاں وہ زیور میں

پروفیسر شہباز کے شگفتہ خیالات

ہنسی

ہم دکھاتے ہیں تمھیں آج ہنسی کی شانیں
بخششی جن کو نگینے ہیں خوشی کی کانیں
قدما کہتے تھے دنیا کو کہ ہے دارِ محن
قد کو گردار سمجھتے تھے تو زلفوں کو رسن
دیکھتے رہتے تھے ہر دم لحد و مرقد کو
نخلِ تابوت سمجھتے تھے نہالِ قد کو
سینے کو وقف سمجھتے تھے وہ ماتم کے لیے
دل کو موزوں وہ بتاتے تھے فقط غم کے لیے
آنکھیں رونے کو تھیں تیار نظر پیٹنے کو
تھے تلے ہاتھ سدا سینۂ و سر پیٹنے کو
لپٹی رہتی تھی ہنسی ہونٹوں پہ منحوسی سے
دانت کھلتے تھے تو کھلتے تھے وہ مایوسی سے
کبھی ہونٹوں پہ جو بھولے سے ذرا ہوتا تھا
زہر میں غم کے تبسّم وہ بجھا ہوتا تھا
جیسے بیمار کبھی پی کے دوا ہنستا ہو
لوٹے چھلے پہ کبھی جیسے تو ا ہنستا ہو
ناخنِ غم کا دکھاتا تھا انھیں خم ہر چاند
نظر آتا تھا انھیں ماہِ محرّم ہر چاند
اُن کا چلّہ نہ فقط چلۂ غم پورا تھا
اُن کے ہر ہفتے میں اک عشرۂ عاشورا تھا

[illegible] رہتا سے بھی وہ غم کا اثر لیتے تھے
ان کی نظروں میں نہ تھا چشمہ وہ تھی چشم پر آب
[illegible] تھے دنیا میں وہ تھے لیے اشک
[illegible] تھے وہاں بیٹھے تھے جینے سے اٹھا
[illegible] گئے ہیں آفت کی گھٹا چھائی تھی
[illegible] سے جاتی تھی یاروں کی رحمت پہ نظر
پھنسے آتی تھی ہوا جب کبھی ٹھنڈی ٹھنڈی
[illegible] والے تو ہر خوش آب سمجھتے یہ نہ تھے
شکر صد شکر کہ اب اگلا زمانا بدلا
تیوری شاذ زمانے کی چڑھی رہتی ہے
شام میں بھی نظر آتے ہیں سحر کے جلوے
رات آتی ہے نظر زلف مسلسل کی طرح
آئے ظلمت بھی تو وہ نور سے لپٹی آئے
بے چراغ اب ہیں اماوس میں نہ گھر راتوں کے
کیونکہ روشن ہے جدھر دیکھو گھٹا بجلی سے
مثل طوفان کے طوفان کا ڈر اب وہ نہیں
[illegible] اسے کو عقل کی خامی سمجھے
[illegible] ابر میں کثرت سے ہیں بہتے موتی
[illegible] دیکھ کے خفت کا اثر نالوں میں
[illegible] ہے گھٹا بنتی ہوئی تخت کی رت
[illegible] میں سبزے نے بچھائے قالیں

آنکھیں بھر آتی تھیں وہ دیکھ جدھر لیتے تھے
تھا کوئی چاک گریباں نہ کھلا تھا وہ گلاب
آبشار آنسو بہاتے تھے پڑے بھر بھر مشک
رعد اک نالۂ جانکاہ تھا سینے سے اٹھا
بدلی گھنگھور قیامت کی امنڈ آئی تھی
[illegible] کی طرح جی ہنستی تھی رحمت پہ نظر
سر پھری ہے اڑا دیتی تھی اپنی جھنڈی
برق کو قاقم و سنجاب سمجھتے یہ نہ تھے
باہر اگلی وہ گئیں ڈھنگ پرانا بدلا
دھوپ اک راگ ہیں عشرت کی بڑھی رہتی ہے
ہر گھٹائے سحری میں ہیں اثر کے جلوے
آسماں تاروں سے ہے شوخ کے آنچل کی طرح
آئے عشق بھی تو وہ نور سے لپٹی آئے
غم نہیں اب ہے ہمیں ابر کی تاریکی سے
حسن کا دن کے بھی سہرا ہے تو سر راتوں کے
رعد کے شور سے رعشے کا اثر اب وہ نہیں
ہم تو بجلی کے کڑکنے کو سلامی سمجھے
تار بارش کے ہیں سہروں میں پروتے موتی
قہقہے زور کے اڑنے لگے پرنالوں میں
ندیاں دھوم سے نالوں کی چڑھاتی ہیں برات
بدھیاں پھولوں کی شاخوں نے گلے میں ڈالیں

پھول ہنستے ہیں اگر دشت ہیں گلزاروں کے
کرتی ہی چھیڑنے کو مور کے بلبل چہ چہ
چھیڑ رکھے ہیں جو قدرت نے ہنسی کے کل ساز

قہقہے کبک کے دامن میں ہیں کہساروں کے
ہنستی ہی قلقل مینا پہ صراحی قہ قہ
آرہی چار طرف سے ہی ہنسی کی آواز

صبح کی ہنسی

چہرۂ صبح سے ہٹنے کو ہیں شب کی زلفیں
خطِ ابیض نہیں آتی ہی نکل نور کی مانگ
نکلی وہ مانگ، ہی کھلنے کو سحر کی وہ جبیں
روشنی تاروں کی بھی ماند ہی پڑتی جاتی
شرمِ قدرت کو تکلف سے ہی آنے والی
ہی صبا منہ سے دوپٹے کو ہٹاتی جاتی
مہر سیمانہ کوئی ماہ جبیں لیٹی ہی
نیم باز آنکھیں ہیں مستی کی دکانیں کھولے
مئے عشرت ہی نگاہوں سے ابلتی جاتی
اب تو جچتا ہی نہیں کوئی نگار آنکھوں میں
پائنتی جب کہ جگانے کو شعاعیں آئیں
کروٹیں صبحِ قیامت کی بدلتی اٹھی
بوجھ ہلکا سا کسی دوش پہ دیتی اٹھی
منہ دھلانے کو نہ کلثوم نہ مریم دوڑی
جوبن آیا نظر اس حور کا امڈا امڈا
رنگ نے لے کے برش چہرے پہ پوڈر چھڑکا

شکل ہٹ کر ہیں پکڑنے کو طرب کی زلفیں
اے اثرؔ اب تو دعا اپنے لیے حور کی مانگ
کہکشاں اب نہ رہی تیرے قمر کی وہ جبیں
دیکھو افشاں ہی یہ قدرت کی بھی چھڑتی جاتی
سادگی صبح کا جوبن ہی دکھانے والی
ہی جھلک حسن کی کچھ کچھ نظر آتی جاتی
بسترِ خواب پہ خود صبح مبیں لیٹی ہی
جن کے دامن میں نگاہیں ہیں سہانیں تولے
کروٹیں عیش کی آنکھیں ہیں بدلتی جاتی
کیونکہ چھایا ہی قیامت کا خمار آنکھوں میں
ڈرتی ڈرتی کہ جگائیں نہ جگائیں آئیں
آنکھیں ہاتھوں سے اک انداز سے ملتی اٹھی
کچھ عجب شان سے انگڑائیاں لیتی اٹھی
آفتابہ لیے خورشید کا شبنم دوڑی
منہ کا دھونا تھا کہ اک نور کا دریا امڈا
بو نے باغوں کے اٹھا شیشے، لونڈر چھڑکا

چہرے کی رنگ سے پوڈر کے چمک اور ہوئی — منہ کی گرمی سے پوڈر کی دمک اور ہوئی
کیوں خوشی سے نہ پڑے لعل نظر ہونٹوں پر — آ رہا ہے وہ تبسم کا اثر ہونٹوں پر
لب خنداں ہی نہیں کچھ گل نسریں دونوں — اب تو رخسار بھی ہیں دامن گلچیں دونوں
لب کو گالوں ہی نے کچھ گل نہ دیئے دونوں میں — پھول آنکھیں بھی ہیں نرگس کے لیئے دونوں میں
دیکھیے چہرے کو جس رخ سے پڑا ہنستا ہے — چہرہ کاہے کو ہے اک پھولوں کا گلدستہ ہے
چمکی پیشانی پہ اقبال ضیا بن کے ہنسی — دمکی گالوں پہ خوش آئندہ حیا بن کے ہنسی
دل سے منہ تا ہنسی بن کے تسلی پھیلی — بجلیوں کی ہے گھٹا لب پہ تجلی پھیلی

ہنسی کیوں آتی ہے؟

یہ تو مانا کہ خوشی دل سے چلی آتی ہے — مگر اس کا ہے سبب کیا کہ ہنسی آتی ہے؟
منہ کی ظاہر ہے کلی سے تو ادا ملتی ہے — ہے ہوا کونسی جس سے یہ کلی کھلتی ہے؟
تاب رخ آئینے کا رنگ تو جھمکاتی ہے — کونسی صیقل اس آئینے کو چمکاتی ہے؟
جھڑ پڑیں تارے سے جس طرح سے، وہ طرز کونسی ہے؟ — بجلیاں جس سے کہ نکلتی ہیں وہ رگ کونسی ہے؟
مختلف اس میں ہیں اقوال تو کیا زحمت ہے — اختلاف العلما متفق الرحمت ہے
بعض کہتے ہیں کہ مصدر ہے تعجب اس کا — بعض کہتے ہیں ہے جدت کو تقرب اس کا
ہے سمجھتا کوئی قدرت کے سبب کا طالب — ہم خیال غلبہ کی بہ گمان غالب
بے سبب کیوں کہوں، ہر ایک سبب کافی ہے — ہر قریں قول پہ تحقیق سے جب کافی ہے
لاکھ بھی کیوں نہوں دنیا میں خوشی کے ابواب — منحصر ہیں انھیں تینوں میں ہنسی کے ابواب

جدت

سب سے پہلے ہمیں جدت میں مزا آتا ہے — وہ مزا ہے یہی جو دل کی غذا لاتا ہے

جاہتی گرچہ نہیں روح کا جنا جدّت
مہد دنیا میں ہی پر روح کی انا جدّت

رات دن دودھ اُسے ہی یہ پلاتی رہتی
چوم کر منہ ہی محبّت سے ہنساتی رہتی

ٹکٹکی باندھ کے بچّے جو ہیں دیکھا کرتے
ناچ گھر میں ہیں وہ حیرت کا تماشا کرتے

آنکھیں پتھرائی ہوئی سی جو ہیں بچّے کھولے
جن میں قدرت کے سمندر نے ہیں موتی رولے

بیندھتی بیٹھ کے ہی ان میں وہ موتی جدّت
ہی انھیں عقل کی لڑیوں میں پروتی جدّت

انھیں لڑیوں سے کلی دل کی بکس پڑتی ہی
اور دُلھن بن کے خوشی چہرے پہ ہنس پڑتی ہی

آنکھیں پتھرائی ہوئی آئینۂ حیرت ہیں
جن کے جوہر ہیں چھپے لاکھ ہم قدرت ہیں

منہ پہ رہتی ہی جو ہر وقت خوشی چھائی ہوئی
ہی حقیقت میں وہ جدّت ہی کی پھیلائی ہوئی

ہر نئی چیز سے تازہ اُنھیں لطف آتا ہی
پھول بشرے کا مسرّت سے کھلا جاتا ہی

اُن کے دل کے لیے پیغام خوشی ہی ہر چیز
کیونکہ دیکھیں وہ جدھر اُن کو نئی ہی ہر چیز

اُن کی نظروں میں یہ کل چاند ستارے ہیں نئے
اُن کی آنکھوں میں کُل ایما کل اشارے ہیں نئے

خیالِ غلبہ

قوّتیں بچّے کی جوں جوں ہیں ترقّی کرتی
گو دجدّت ہی خیالِ غلبہ کی بھرتی

طاقتیں ظاہر و باطن میں جو آ بھرتی ہیں
جدّتیں غیر سے دعویٰ انا کرتی ہیں

پینترے خاص اکھاڑوں میں ہیں جمنے لگتے
ہاتھ جم کھونٹا کے کہنی ہیں چھوسنے لگتے

تاؤ مونچھوں پہ شجاعت سے ہیں پھرنے لگتے
کلّے شیروں کے ہیں دو ہاتھوں سے چرنے لگتے

بجلیاں کڑکے کی کیا کیا ہیں کڑکنے لگتی
چھاتیاں دشت و جبل کی ہیں دھڑکنے لگتی

فتح سب آکے قدمبوس بجا لاتی ہی
چوم کر منہ کو خوشی چہرے پہ چھا جاتی ہی

ہی ظفر مونچھوں کے پرچم جب اُڑانے لگتی
ہی ہنسی ڈاڑھی پہ سونا سے آنے لگتی

زعفراں زار کھلا دیتا ہی اک خلد نظیر
نرگسِ دل میں خیالِ غلبہ کا کشمیر

تعجب

ہی تعجب بھی خیالِ غلبۂ غیر کا ایک
الغرض قیدِ محل چھوڑ کے دونوں ایک

ہم سے کیا بحث مگر غیر تو غالب آئے
دل میں اس طرح تفوق کے مطالب آئے

بالکنایہ ہی خیالِ غلبہ یہ بھی ضرور
جس میں بھرتا ہی غرور آکے مشیخت کے سرور

غلبہ جھٹ ہمیں ہمدرد بنا لیتا ہی
کھینچ لیتا ہی دل اور ہم کو ہنسا دیتا ہی

ہی خیالِ غلبہ ہم کو اکوئی غالب ہو
ہی خوشی ہم کو ظفر چاہیے کسی جانب ہو

انحطاط آگے ہی جب ضعفِ قوی پھیلاتا
ساغرِ ناز میں دل قرض کی ہی [illegible] لاتا

جب جوانی تھی یہ کہتے تھے رہیں خود غالب
لیک اکنوں کہ زبس ضعفِ قوی [illegible] غالب

غلبہ غیر کو ہی اور ہمیں خوش حالی
قحبہ چوں پیر شود پیشہ کند دلالی

ضعف کے ساتھ تعجب ہی ترقی کرتا
دلِ مغلوب کی غالب ہی تشفی کرتا

ضعف کے ہاتھوں سے ہوتا ہی جب انساں مجہول
طبع پاتی ہی تعجب میں تلافی کے اصول

پہلواں بن کے اکھاڑے میں کھڑا ہی بوڑھا
جس لئے تیار تعجب کا کیا ہی پٹھا

اسی پٹھے پہ تفاخر کی خوشی ہی موقوف
اسی پٹھے سے تبحر کی ہنسی ہی مالوف

ابھرے جب جھیل کے کشتی کی کشاکش پٹھے
ٹھونکنا پیٹھ ہنسے ہنس ہنس کے کہ شاباش پٹھے

دل کو خوش کرتی ہی شہباز ہر اک پن کی ہنسی
ہو بڑھاپے کہ جوانی کہ لڑکپن کی ہنسی

پروفیسر شہباز کے نوطرز عاشقانہ خیالات

قصیدہ

[illegible] کے سبب کھینچوں واقعات ہل لکھوں
ہی تقاضا عشق کا میں بھی کوی ناول لکھوں

کشتِ وحوں کا ہو اگر منظور دکھلانا سماں
عامیانہ طرز سے باتیں لکھوں کچھ صاف صاف
عشق کو معقول کر دوں گاہ بحثِ عقل سے
شوق کو تسکین بخشیں گر کسی کے رخ کے تل
حسن کے عشرت کدے کو گر بتاؤں بمبئی
شامِ ہجراں میں کھلا کر میز پر غم کا ڈنر
لب کو لکھوں مصر اور گالوں کو مصری سرحدیں
پیش بھانڈوں کے کرے جس دم ظرافت طائفے
بھیم بن آ کر کرے جس دم فصاحت شاعری
حسن کو مطلوب سمجھوں، شوق کو طالب کہوں
بحرِ اسود لیلِ فرقت کو بتاؤں صبح و شام
روزِ فرقت کو بتاؤں افریقہ کا دشتِ غم
آنکھ سے دکھلا کے سیلِ اشک کی سو پھریاں
گر لبِ نوشیں سکھیں مے نوشیوں میں اعتدال
چشمہ کے اوراق پر لکھوں "ادرکا سا" کی شرح
صبر کی سل رکھ کے سینے کو بناؤں اسپتال
ہجر کی ذلت سے تنگ آ کر پڑھوں ملٹن کی نظم
وقف کر دوں جائدادِ چشمِ نم سیلاب پر

ابروؤں کو تیغ باندھوں چشم کو قاتل لکھوں
عالمانہ شان سے کچھ مسئلے مشکل لکھوں
عقل کو گہ عشق کی تاثیر کا قائل لکھوں
شوق کو فیور بناؤں رخ کو فیور بل لکھوں
عاشقی کے غمکدے کو والسنر ہوٹل لکھوں
آہ کی رنگین کوئل سے کہکشاں پر بل لکھوں
زلف کو نیل اور جبیں کو نیل کا ساحل لکھوں
شوق سے ہر طائفے کو رونقِ محفل لکھوں
درد کو غالب بتاؤں داغ کو بیدل لکھوں
شرم و غیرت کو رقیبوں کی طرح حائل لکھوں
شام و صبحِ ہجر کو بحر اس کے دو ساحل لکھوں
اور اٹل گھڑیوں کو اس کی مونٹن[1] بل لکھوں
ڈوسی ہرسی کو کہوں، ہر بحر کو کاہل لکھوں
خطِ ریحاں ہیں انہیں نوشیرواں عادل لکھوں
اور مرہم کے علشیے پر نسخۂ "ناول" لکھوں
وا کے ہر پشیٹ[2] کو پھر مبتلائے سل لکھوں
وصل کی دولت سے خوش ہو کر نکاتِ دل لکھوں
ٹائمن[3] کی لوح پر شہبازاں اپنا دل لکھوں

---

۱ مونٹن اور ہل پہاڑ اور پہاڑی ۱۲

۲ بیمار ۱۲

۳ مشہور مقنن ۱۲

مولانا شہباز کے مہذب عاشقانہ خیالات

مُہذّب عشق

آئی نہیں یہ بات اگرچہ قیاس میں
مجنوں نہیں کہ نجد کی بن باس پہ ہو غش
ہونٹوں میں اک چرٹ ہی دبا بس یہی ہے آہ
ٹکڑوں پہ دل کے اب وہ نہیں صبر بھوک میں
کثرت سے منہ پہ ہیں وہ ابھرے سرخ سرخ توس
مدت ہوئی وہ دن آبلہ پائی کے لد گئے
ہے ترش روئی اب بھی مگر اعتدال سے
بوسوں کا لب پہ ذکر نہ بوسوں پہ ہے ٹھنکیس
کہتے ہیں کورٹ شپ جسے ہے امتحانِ عقل
کرتا نہیں ہے فرق یہ اگزامنر کا بورڈ
لیکن نہ ہے نصیب کہ جائے گزٹ میں چھپ
ناکامیاب ہونے تو ہیں کچھ ضرور اداس
سرپٹ وہ بھاگتے ہیں نئے سبزہ زار کو
ہو جاتے اپنی ہاری میں ہیں پھر بھی کامیاب
عاشق کی کمان یہ ہے کہ بڑھتا ہو دن بہ دن
بائرن و شیلی و رنالڈس سے تازہ کرے دماغ

ہے عشق تو بھی اب تو مہذّب لباس میں
ولیم ہے تو، بسا ہے لونڈر کی باس میں
اب وہ نہیں کہ آگ لگا دے اکاس میں
قطروں پہ خوں کے اب قناعت وہ پیاس میں
اور زرد زرد شے ہے بھری کچھ گلاس میں
دیلا، عرب پڑے ہیں ہزاروں نخاس میں
جتنی کہ ترشی ہوتی ہے چٹنی میں ساس میں
گالوں کے شکر اور لبوں کے سپاس میں
خاتونوں کی جماعت مردم شناس میں.
عذرا میں، پٹ میں، نائڈو میں، گورداس میں
نام اور چمکے دور سے فہرستِ پاس میں
اُڑ جاتی ہے اداسی مگر دو گلاس میں
سرسبزی ڈھونڈتے ہیں نئی سبز گھاس میں
رہتے نہیں ہمیشہ پھنسے قیدِ یاس میں
دُبلا جو ہو گا کوئی تو سو میں پچاس میں
کھوئے نہ وقت میرِ حسن، کالی داس میں

فیشن کہے تو پھاڑ کے پھینکے حریر کو
لطف اطلس و حریر کا پاسے پلاس میں

ناحق جنوں میں اپنا گریباں کرے نہ چاک
سر کھولے تا فتور نہ آئے حواس میں

موقعہ کوئی طلائی جو قسمت سے ہاتھ آئے
عذر اصل مدعا کے نہ ہو التماس میں

تلخی سے اس ادا کی سمیٹے نہ ناک بھوں
لذت وہ لے جو شیخ کو ملتی ہو ناس میں

توڑے بھی گر وہ آس نہ دے اسکو توڑنے
سیقی کامیابی کی ہو [illegible] میں

اور یوں ہی بات بات پہ گر آس ٹوٹ جائے
ہو فرق کیا بتاؤ پھر انساں میں [illegible] میں

انگشتری مرصع و رومال ریشمی
لے لے تو لینے دے [illegible] میں

اے عشق دلفریب بہت ہو گئی [illegible]
انسانیت سے آگے [illegible] میں

[illegible]

[illegible]

نصیحتیں ہی [illegible]
بہانے سر کے لطف [illegible]
گلوں کی طرح گلستاں [illegible] وہ شگفتہ ہو گئے
[illegible] پھول ہو گئے
[illegible] لطف آنے لگا
ہیں [illegible] کے ساتھ
شراب [illegible] دیتے ہیں
[illegible] ڈال دیتے ہیں

[illegible]

ہنسی میں ڈال کے ناخوش گوار باتوں کو
گلوں کو گھوروں پہ چبا ہیں وہ بسا چھوڑیں
جہاں وہ جاتے ہیں قدرت ہی ساتھ ساتھ اُن کے
جہاں سر اُن کا ہی رحمت کا اُس پہ سایہ ہی
نگاہ کرتی ہی طی آسماں کے زینوں کو
وہ دل ہی یا کہ سویدا کی ظلمتوں میں گھرا
زمانے بھر سے بڑی گرچہ زندگی تو ملی
خدا ہی جانے کہاں وہ ہیں منہ چھپائے پڑے
بہار کی ہی گھٹا سر پہ آکے جھوم رہی

لڑانے بیٹھ کے ہیں مصریوں نباتوں کو
توں کو چوٹھوں پہ چبا ہیں وہ ہنسا چھوڑیں
خدا کے ہاتھ میں گویا ہیں دونو ہاتھ اُن کے
کہ سر نہیں ہی یہ قدرت کا ایک آیہ ہی
شکست ملتی ہی آنکھوں سے دوربینوں کو
اُبل رہا ہی پڑا آب زندگانی کا؟
مگر نصیب کہاں خضر کو یہ زندہ دلی
یہ ہر جگہ ہیں مگر باغ اک لگائے کھڑے
شگفتگی ہی قدم آکے ان کے چوم رہی

پروفیسر شہباز کے گنگا جمنی خیالات

عزلت منزل

تنہائی کا میں عاشق ہوں
خاموش لبوں سے ناطق ہوں
چڑیوں کے نغمے سنتا ہوں
میں تو سر لے پر دھنتا ہوں
ہنستی ہی میرے ساتھ سحر
پھولوں کو دیکھ کے تازہ وتر

رہتا ہوں عزلت منزل میں
خوشیاں ہوں خموشی کی دل میں
کیا غم ہی اگر ارگن نہوے
گو شاہد دستک زان نہ ہووے
ہنس ہنس کر جی بہلاتا ہوں
غنچوں کی طرح کھل جاتا ہوں

حیرت کی قطرۂ شبنم سے
آئینوں میں اُن قطروں کے
جب پھیلا سایہ پیڑوں کا
کیوں جی میں ہو نا حق فکر غذا
پڑھنے کو بھی گر دل چاہا
شاگرد ہوں بلبل شیدا کا
ری سے یاں مجھکو کیا مطلب
رکھتا ہوں تر پانی سے لب
سوسن کی طرح زباں رکھکر
جھکتا نہیں مثل صبا گل پر
خط دیکھا جب سے ریحاں کا
شاخوں کو گل کی قلم دیکھا
ٹھرا ہیں گو نہیں مسجد کی
ہاں تیتر فاختہ اور قمری
شاہیں ہیں وقف عبادت میں
چڑیوں کی پاک جماعت میں
سننے کو چڑیوں کے نغمے
تحریمہ باندھ اُن کے پیچھے
جب شام کا سرمہ پھرتا ہے
اور ضعف کا نزلہ گرتا ہے
آنکھوں کے رستے لاتی ہے

جب اوسوں پیاس بجھاتا ہوں
قدرت کے جلوے پاتا ہوں
غم بھولے دل سے کا خوں کے
پھل دامن میں ہیں شاخوں کے
گل کے اوراق اُلٹتا ہوں
جو یہ تبلائے رٹتا ہوں
می چاہیے دولت والوں کو
دیتے ہیں داغ جولالوں کو
پاتا ہوں لطف خموشی میں
کہنے کو کچھ سرگوشی میں
خط لکھنا میں نے چھوڑ دیا
اُس دن سے قلم بھی توڑ دیا
گنبد تو یاں ہیں نہالوں کے
یاں بھیس ہیں اللہ والوں کے
تسبیحیں ہیں تہلیلیں ہیں
تکبیریں ہیں ترتیلیں ہیں
شہباز جب آگے پڑھتا ہوں
فی الاصل نمازیں پڑھتا ہوں
آنکھوں میں آکر نرگس کی
آنکھوں پہ آکر ہر حس کی
چڑیوں کی نیند بسیروں میں

جھونکو بھی جا پہنچاتی ہے — راحت پھولوں کے ڈھیروں میں
پھولوں میں دل کو راحت سے — جب خوب شگفتہ پاتی ہے
ہاتھوں سے صبا کے جھونکوں کے — ہنس ہنس کر صبح جگاتی ہے
اس میں جو سہارا پاتی ہیں — تھوڑا ابھی بھویں پیشانی سے
چوٹ سے آنکھیں کھل جاتی ہیں — پھولوں کی خوش عنوانی سے

صبح پیری

کیا جانئے بال تھے مدت سے کیوں سپید — تڑا چھکا و درلش پہ اب یہ غضب ہوا
سیمیں … ہیں جا بجا ہیں نور کی — خیمہ سحر کا آن گڑا کوچ شب ہوا
… جائے … زندگی کے کام — ہوتا تھا جتنا بزم میں عیش و طرب ہوا
کیا دیکھے آنکھ کوئی جو منہ ہی نہیں رہے جب — دے کار ہی جو قبضے میں شہر حلب ہوا
آنکھوں کی دوربینوں میں بھی اب نہیں وہ زور — دانتوں کا بھی حصار مرمت طلب ہوا
جاسوس کان ان کے بڑے سو گئے ہیں بے خبر — ان کی بلا سے دہر میں شور و شغب ہوا
طاقت کہاں بیاں ہیں کہ دیکھے گلوں کو طول — مجبوریوں سے ورد زباں شکر رب ہوا
وہ دن کہاں کہ صبح سے ہو سیر جوک کی — بازار عیش گرم - جہاں وقت شب ہوا
پاؤں کے راہوار اٹھاتے نہیں قدم — کمری جو بایک بیک یہ ہوئے کیا سبب ہوا
… جو گئے … سے ایک مستقیم — معدے میں گرچہ ہضم مسلم مطب ہوا
… جو … بزرگ — کیوں کر خیال نا قلہ مستحب ہوا

… [illegible] … شیخ با انتقال
… گیا تو ثبات شیخ العرب ہوا

پروفیسر شہباز کے انڈسٹریل خیالات

ایک پاپوش کی سرگزشت

نئی بات مضموں اچھوتا ہوں میں — سنو میری بیتی کہ جوتا ہوں میں
بھرا موتیوں سے صدف وار گوش — انا النعل انا الکفش انا الپاے پوش

زمانۂ جاہلیت

نہ تھی جبکہ تہذیب دنیا کے بیچ — ہر اک رہ بیں قسمت میں تھی میرے کیچ
میں ہی ہوں کہ جب میں گیا کانپور — پھنسا مجھکو کیچڑ میں بھاگے سرور
ہزاروں جگہ یہ ہوئی دل لگی — کہ گوبر سے پاؤں میں مہندی لگی
نہ تھا صرف گوبر ہی کا جھینکنا — لگی اس سے بھی بڑھ کے خوشبو حنا
نہ تھا کوئی مجھ سے زیادہ ذلیل — تھی جا میری ذلت یہ میری دلیل
جگہ میری ہر جا تھی صفِّ نعال — غرض بزم سے یوں دیا تھا نکال
اُتر کر میں جمّن سے کرتا تھا بات — بسر ہوتی تھی میری بُدھو کے سات
اثر سے نہ خالی تھی صحبت بُری — وہ صحبت نہ تھی تھی گلے پہ چھری
ہزاروں ہی سنتا تھا میں گالیاں — کہ شرمائیں جن سے سرا والیاں
زباں پہ ہی تھا عضوِ مخفی دھرا — مُغلّظ سے تھا مُنہ کا دامن بھرا
نہ تھے لفظ گولے وہ تھے توپ کے — حیا کو رہے گاڑ کے نوچ کے
دکھاتے تھے ذلت کو وہ چیر چیر — سناتے تھے پیچھے سے اُلٹی چھیر
پکڑتے تھے کان اپنے سُنکر گُنی — نیا راگ تھا اور نئی راگنی

الگ تال سُر سے تھی جو بھی الاپ
وہ گا گا کے سر اپنا دُھنتے تھے آپ

ہمہ وقت فیور کا تھا بس فیئر
بُرا تھا غرض سارا اٹمس فیئر

وہ چھینکیں وہ نفرت فزا کھانسیاں
خناقِ گلو علق کی پھانسیاں

وہ بلغم کے لُچھے وہ رینٹوں کے ڈھیر
لیا تھا زمیں کو غلاظت نے گھیر

نہ تھیں واں نفاست کی پرچھائیاں
عفونت سے آتی تھیں اُبکائیاں

جو ہوتی کہیں پیٹ میں کوئی شے
تو کرتا ضرور اُن کے منہ پر میں قے

وہ پیتے تھے حُقّہ پہ حُقّا نہ تھا
اُڑاتے تھے بُقّا پہ بُقّا نہ تھا

لگاتے تھے جس وقت گانجے کا دم
مہا دیو سے پہلے کہتے تھے بم

چلم اپنی اک چیتھڑے میں لپیٹ
لگاتے تھے دم پھر پھلاتے تھے پیٹ

دُھواں دم بدم طرز جاں کاہ سے
نکلتا تھا منہ ناک ہر راہ سے

جہاں ایک دم وہ لگا لیتے تھے
مکاں سارا ایکدم سڑا دیتے تھے

غرض ایسی صحبت میں رہتا تھا میں
جفائیں کمینوں کی سہتا تھا میں

صحبت کا اثر

بُری صحبتوں کا بُرا تھا اثر
بُرائی میں باقی نہ تھی کچھ کسر

مری بدمعاشی کے تھے راز فاش
زمانے کا تھا میں چھٹا بدمعاش

غضب خوش خرامی سے چلتا تھا میں
قیامت ہی تھی جب نکلتا تھا میں

بلا کی تھی بجلی سدا کوندتی
کہ رہتی تھی تلوے سے میرے لگی

بلا تھا کہ سر سے نہ ٹلتا تھا میں
لڑیں سب خوشی سے اُچھلتا تھا میں

مرے تاؤ پر گرم ہو قیل و قال
جہاں میں ہوں جوتی میں بٹتی تھی دال

ہر اک شخص سے تھی مری نوک جھوک
ہو ورستم کا سالا تو دیتا میں ٹوک

جہاں کوئی مجھ سے اکڑ کر چلے — مَسل دوں وہیں رکھ کے ایڑی تلے
لیا تھا جو لڑنے کا بیڑا اُٹھا — دبا پان رہتا تھا مُنہ میں سدا
ذرا کوئی مجھ سے جو مُنہ موڑتا — وہیں اُس کے چونا لگا چھوڑتا
بچا کم کوئی میرے آزار سے — قیامت چلے بچکے دیوار سے
لرزتی تھیں مجھ سے سدا بیگمیں — عیاں جن کی نرگس سے سو شبنمیں
خواصوں کا میری بدولت یہ ناس — لگائیں جہاں پائیں گن کر یہ پاس
بجالاتے تھے رات دن صبح و شام — سر آنکھوں سے تعظیم لونڈی غلام
نہ جاتے کبھی گر مری خاک جھاڑ — تو دیتا اُنھیں بھی اُسی دم لتاڑ
نہ بھولے ہی چہرے نہ روڑھے بچے — نہ بالے ہی مجھ سے نہ بوڑھے بچے

تہذیب کا زمانہ

مگر اب زمانہ ہی تہذیب کا — وہ رخصت ہوا دورِ تعذیب کا
عیاں جس پہ تھے خط و خالِ فتور — اُسی مُنہ پہ شائستگی کا ہی نور
اُورلاک نہ کرنا اُسے زینہار — شرافت مرے لاگ سے ہی آشکار
چمک اس طرح کی سیاہی کے سات — ہی ظلمات میں موجِ آبِ حیات
عیاں کر دکھاتا ہوں دن رات کو — دکھاتا ہوں آئینہ ظلمات کو
کوئن سے جھپکتی نہ ہیں گنگ سے — ہیں آنکھیں مری جھانکتی رنگ سے
ہی جاری سدا کاروبارِ نظر — ہی لشمے کی صورت میں تارِ نظر
نہ برچھی نہ تلوار کی ایسی نوک — جہاں چاہوں گھس جاؤں بے روک ٹوک
ہی ٹھوکر سے ڈر دل میں پیٹھا ہوا — گرا ایڑی کا سکہ ہی بیٹھا ہوا
رسائی نہ تھی پہلے ٹخنوں تلک — پہنچتا ہوں میں اب تو گھٹنوں تلک

بہت بڑھ گیا ہی مرا رُعب داب
مُرصّع ہوں سونے کے مہمیز سے
جو رتبے سے میرے وہ آگاہ ہیں
وہ لیتی ہیں جس دم مرے آ قدم
بڑھائے ہیں درجے خدا نے مرے
نہیں میرے موچی چمار اب ذلیل
یہی ہوتے ہیں اب سویلین تلک
بظاہر بناتے ہیں گو پائے پوش
کر رکھتے ہیں اکثر کئی منزلیں
کلکٹر یہیں اور کمشنر یہیں
کہیں کوئی خوش وضع مسٹر مس

فضا پھرتی ہی میری تھامے رکاب
سُبک رو ہوں اسپ سبک خیز سے
رکابیں سدا چشم بر راہ ہیں
لگاتی ہیں آنکھوں سے کیا کیا قدم
بڑے ابتو ہیں کار خلقت مرے
شرافت کی موچی گری ہی دلیل
کماتے ہی اب ہیں ملین تلک
دُکانوں پہ آؤ تو اُڑجائیں ہوش
جمیں گاہکوں سے کئی محفلیں
یہیں لاٹ صاحب سکتّر یہیں
کہیں کوئی ذیشاں ڈیوک اور ڈچس

علوم سے تعلّق

بظاہر ہیں گو کفش کے تین حرف
وہ چمڑا کہ بو جس سے آئے سڑی
حنہ دچو کراي بھولے سُنکر یہ بات
وہ سب جھوٹ سچّی یہی کیمیا
مرے صانعوں میں ہے جبّہ تعقیل
ہی پُر زا بڑا ہی یہ چلتا ہوا
کوئی اس کا پھرتی میں ثانی نہیں

ہوے مجھ پہ ہیں بیسیوں علم صرف
دباغت میں ہی اُس کی حکمت بھری
کہ چمڑا کرے مشک و عنبر کو مات
دیا جس نے چمڑے کا سکّہ چلا
جو دے مُنہ کو جادو کے حکمت سے کیل
کچھ آگے ہی سب سے نکلتا ہوا
حقیقت میں جن ہر کہانی نہیں

ہتوڑا ہی جس دم یہ تانے ہوے
کترتا ہی جس وقت چمڑے کا تھان
یہ سمجھو کہ بس حکم ہی کی ہی دیر
شباباش ٹھپا خوش وضع مضبوط چست

لہار اس کا لوہا ہی مانے ہوئے
تو موچی کے گویا کترتا ہی کان
لگادے یہ دم بھر میں جوتوں کا ڈھیر
ڈھلے سانچے کے سر سے پا تک درست

عمدہ صحبت اور اُس کا اثر

کمینوں کی صحبت سے پائی نجات
سڑک پر نہ پانی نہ وہ کیچ ہی
خوش آیند ہیں زندگانی کے واک
جہاں چلتے ہیں تندرستی کے جام
اگر کورٹ شپ ہیں ہی بوس و کنار
کرے کیوں نہ بلبل غزل خوانیاں
چہلتا ہوں اب میں بھی بلبل کی طرح
تمتع ز ہر گوشہ یافتم

نہیں اب میں سنتا گپیں واہیات
کلب گھر ہی۔ لکچر ہی اسپیچ ہی
عجب روح پرور ہی ٹیبل پہ ٹاک
دکھاتا ہی تن کر درستی کلام
تو واں بھی ہی یاقوت گوہر نثار
کہ چاروں طرف ہیں گل افشانیاں
کہ ہی باغ باغ اپنا دل گل کی طرح
ز ہر خرمنے خوشہ یافتم

لوٹو کی بیقدری

ہر اک بزم میں آتا جاتا ہوں میں
کہیں قدر اب ہو نہ پائیں کہ سدر

ہر اک شخص سے فیض پاتا ہوں میں
مری اب تو ہی چپے چپے پہ قدر

۵ ٹھانا - سیر سپاٹا ۱۲ ۵۲ کھانے کے وقت کی گفتگو ۱۲

نہیں پوچھتا کوئی ٹوپی کی بات
جدھر جاؤ میداں ہی میرے ہی ہات

جدا اس سے ہر ایک انگریز کے
پڑی ہی بچاری تلے میز کے

کرے درد دل اپنا کس سے بیاں
اور کوٹ چھڑیاں ہیں یا چھتریاں

سو چھڑیاں ہیں لکڑی اٹھائے ہوئے
کماں چھتریاں ہیں چڑھائے ہوئے

دماغ اور کوٹ ہی عرش پر
ہی ٹوپی بچاری پڑی فرش پر

مگر میں کہ ہر وقت ہوں دم کے ساتھ
ہوں میں پاس مسٹر کہ میڈم کے پاس

جدا میں نہوں ہو جدا جان سے تن
الا انما النعل جسز و البدن

ازدواجی تعلقات

یہ ہی جاہلیت کے وقتوں کی بات
ہوا ایک ام الجہالت کا سات

مری رنج و راحت میں ہمدم نہیں
غرض آ کے وہ جوتی بیگم بنیں

ہوا تھا جو بن دیکھے شامت سے عقد
لٹا رنج کے ہاتھوں راحت کا نقد

بظاہر اگرچہ بہت زرق برق
مگر حسن سے دوری غرب و شرق

اگرچہ اسی کی بڑی دھوم تھی
نہ تھی ناک پیچیدہ خرطوم تھی

حیا گو کہے دیکھو گھونگھٹ ہیں یہ
پکارے کہے منہ کہ منہ پھٹ ہیں یہ

وہ تھی چال ہر ایک رفتار پہ
ہنسے کبک اک قہقہہ مار کر

مگر وہ بھی مجھ سے بہت دور دور
یہ صحبت کہاں تھی کہاں یہ ضرور

کھلے اب تو ہیں منہ پہ عشرت کے گیٹ[۱]
ملی ہی جو خاتون اک اپ ٹو ڈیٹ

ہزاروں میں چن کر نکالی ہوئی
ہی جا پہنچی ہوئی دیکھی بھالی ہوئی

۱؎ پھاٹک ۱۲

سبھی اور سجائی بھی اور تلی
دہن سے سحر زلف شبگوں سے شام
جھجک اور نہ وحشت پرائے کی طرح

کسی اور کسائی کھلی اور ڈلی
بتختر سے طاؤس آہو خرام
ہر اک بزم میں ساتھ سائے کی طرح

خاتمہ

تعلّی نہیں ہے یہ حق گفتگو

انا الشئو انا البوط انا الپمپ شو

جبیں یہ مری کیوں نہ ہو عرش سا
شریفوں کا شہباز ہوں خاکِ پا

پروفیسر شہباز کے مستم ظریفانہ خیالات

"آثار اقبال"

اہلِ اسلام ہیں اب راہ پہ آئے جاتے
اب بھی ہر چند ہیں وہ بستر راحت پہ پڑے
پاؤں کو ہاتھ لگاتے ہی لگاتے نہیں لات
چونکنے جاتے ہیں غفلت سے وہ رفتہ رفتہ
اُٹھ بھی جاتے ہیں اُٹھاتے ہیں سہولت سے اگر
کنگھی کرلیتے ہیں کپڑے بھی بدل لیتے ہیں
چاہتا جی ہی اگر تو ہیں ہوا بھی کھاتے
گرچہ چلتے نہیں وہ ساتھ ہر اک رہبر کے

ہیں کچھ آثار سے اقبال کے پائے جاتے
کروٹیں لیتے ہیں گر ہیں وہ جگائے جاتے
ہیں جگانے کو اگر پاؤں دبائے جاتے
اُٹھنے دیتے ہیں جو بیٹھے ہیں اُٹھائے جاتے
منہ بھی دھو لیتے ہیں گر منہ ہیں دُھلائے جاتے
پیار کے ہاتھوں سے گر وہ ہیں بٹھائے جاتے
چین سے گر ہیں وہ بگھی میں بٹھائے جاتے
دیکھ لیتے ہیں جو رستے ہیں دکھائے جاتے

گر پڑھائے بھی وہ جاتے ہیں تو پڑھ لیتے ہیں
لکھ بھی لیتے ہیں کبھی گر ہیں لکھائے جاتے

گرچہ کرتے نہیں کوشش عملی پہلو سے
سن تو لیتے ہیں جو کچھ ہیں سنائے جاتے

ہنس تو دیتے ہیں نہ رویں اثر غیر سے
گر کبھی قوم کے خاکے ہیں اڑائے جاتے

کبھی سن لیں گے اگر پڑھ کے سنائے گا کوئی
نہ پڑھیں لیک ہیں اخبار تو آئے جاتے

دستخط چندے کی فہرستوں پہ کر دیتے ہیں
[illegible] بھی دیتے ہیں بہت گر ہیں ستائے جاتے

سود المنڈھی نہیں جو بھی وہ پی لیتے ہیں
[illegible]لوں میں جو ہیں چھپکے سے پلائے جاتے

شوق سے بیف مٹن ہمرہ مسٹر بیکن
کھانے [illegible] جو جھوٹوں ہیں کھلائے جاتے

لیڈیوں سے بھی کبھی ہاتھ ملا لیتے ہیں
[illegible] اخلاق سے گر ہیں وہ ملائے جاتے

ڈر سے عصمت کے خسارہ بھی وہ بھر دیتے ہیں
[illegible] گر ہیں نالش کی دکھائے جاتے

فاقہ کشوں سے بھی زیادہ نہیں ان کو انکار
[illegible] ہیں اگر دام میں لائے جاتے

بار اٹھا لیتے ہیں اکثر ولد الکلبوں کا
گر [illegible] کچھ رحم دلائے جاتے

بھیج دیتے ہیں [illegible] کو بھی ہر پارٹی میں
[illegible] گر ہیں وہ بلائے جاتے

[illegible] اسپیچ
[illegible] ہیں اگر خط ہیں اڑائے جاتے

لیتے جاتے ہیں [illegible] مہذب رسمیں
اب [illegible] نہیں بیاہ رچائے جاتے

ہوٹلوں کی عوض آتی ہے کلاں کی گھڑی
[illegible] ہیں گن بنائے جاتے

سیکھ دیتے نہیں [illegible] ڈھولک طبلہ
گیت [illegible] تو ہیں گائے جاتے

عقد کے وقت [illegible] کوئی اسپیچ
[illegible] اب وہ پڑھائے جاتے

پہلے دے کے [illegible] شکر کا شربت
[illegible] رنگ کے شربت ہیں پلائے جاتے

نہ رہے دست تنگ کھلاتے ہیں دسترخواں کے
[illegible] پہ [illegible] ہیں کھلائے جاتے

اگلے وقتوں کے وہ رخصت ہوئے جو تھے چالے
[illegible] مون کے جلسے ہیں دکھائے جاتے

گھر میں آتے نہیں عشقی غزلی گلدستے
[illegible] علمی رسالے ہیں منگائے جاتے

قصے ہر چند پرانے ہوں مگر ہیں نئے — طرز دلکش سے ہیں ہر روز دکھائے جاتے
عشق پردے میں ڈراموں کے بیاں ہوتا ہے — پڑھے [illegible] اٹھتے ہیں کبھی پھر ہیں گرائے جاتے
مجلس نظم میں ذکر شہدا کے [illegible] لیے — [illegible] نظم لیے ہیں ہمکو سنائے جاتے
گود میں بیوہ کے دکھلا کے یتیم [illegible] — [illegible] دونوں کے ہیں حق [illegible] جاتے
سلسلے ہیں کہیں تاریخ کے ہونے تیار — [illegible] ہیں کہیں ڈھیر لگائے جاتے
شیخ چلی دو پیارہ کے بھی [illegible] حالات — [illegible] طرح ہم کو سنائے جاتے
دیکھنا مچھروں کی لکھ کے سوانح [illegible] — [illegible] صاحب ہیں بڑھائے جاتے
دیکھنا ان کو بھی جو گھوڑوں کے [illegible] حالات — [illegible] ملے ہیچ کو سرپٹ ہیں بھگائے جاتے
قافیوں اور ردیفوں کی اٹھا کر قید [illegible] — [illegible] نے ہمیں پلٹ کے دکھائے جاتے
لکھی جاتی ہیں متیں غیر مقفی نظمیں — [illegible] سے بیہودہ نہیں تک وہ ملائے جاتے
کھینچا جاتا ہے ہر اک رنگ میں فطرت کا سماں — کہیں قدرت کے ہیں ہر طرح کے دکھائے جاتے
چھیڑے جاتے ہیں کہیں ٹیکرے ٹپلے کے ساز — ندی نالے کے کہیں راگ ہیں گائے جاتے

گر خدا چاہے تو شہنا [illegible] کسی دن ہم بھی
دیکھ لینا ہیں اسی [illegible] جاتے

بیسویں صدی کی دوسری سالگرہ

تمدن ترقی کا اقبال ہے — صدی بیسویں دوسرا سال ہے
کہیں مختصر سی ہے ٹی پارٹی — کسی جا بڑی دھوم سے بال ہے
کسی جا ہے گہرا ملاقات کا — کہیں خوش نما ڈالنگ ہال ہے
کہیں رخ پہ سرخی شائستگی — کہیں منہ پہ تہذیب کا جال ہے

غزالوں کے ہیں سُم کہیں ہوٹ ہیں ہرن کی کہیں پانوں میں چال ہے
یہ بائٹ سے ہے ہُدہُد تاج دار وہ طاؤس زیبا پر و بال ہے
جدھر دیکھیے ہیں فٹن لینڈو سیانہ نہ ڈولا نہ سُکھپال ہے
کھڑی ہے چمکتی ہوی بائسکل قیامت کی ہے اُس کی جو چال ہے
سٹیمر میں ہے منفعت کی سٹیم تجارت کی خوب اُڑ رہی پال ہے
نکلتا ہے نبمبے سے بھق بھق دھواں نہاروں کی گرد اس جگہ کھال ہے
وہ اژدر سُنا ہو جو شعلہ فشاں بعینہٖ اُسی کی یہ تمثال ہے
جدھر دیکھو ریلوں کی ہے ریل پیل ہیں سڑکیں کہ پھیلا ہوا جال ہے
برک میں ادھر کھڑ رہے ہیں تڑاک تڑک پہ اُدھر چڑھ رہا مال ہے
وہ ریلوں کی گردش وہ انجن کا زور نہ جن لڑنے میں ہے کچھ جنجال ہے
کہیں ہے اگر قحط کا زور شور کسی جا اگر ملک میں کال ہے
تو ہے ریل کا گارڈ قسام رزق ذرا بھی نہیں ہے وہ میکال ہے
ہزاروں ہی ہیں چل رہی گرنیاں[1] کروڑوں ہی کا بن رہا مال ہے
کہیں ٹاٹ ہے جوٹ سے بن رہا کہیں اون سے بُن رہی شال ہے
چڑھائی ہے حکمت نے چرخوں پہ مال نہ چرخا کہ یاں چرخ کیا مال ہے
ہر اک پُرزہ ہے باپ حلّاج کا ہر اک کیل یاں اُمّ غزال ہے
دھواں پھینکتا کب وہ ہے دود کش چرُٹ پی رہا صاحب اقبال ہے
سلیماں کے ہیں کر رہے کام جن عجائب طلسمات اعمال ہے
تصفیہ بھی ہیں سیکڑوں کھل رہے جہاں قال بھی سر بسر حال ہے

[1] گرنی دکن میں مل کو کہتے ہیں یعنی پتلی گھر ۱۲

ہے در پردہ اس میں حقیقت کا رنگ
کوئی تو ہے مارے خوشی کے نہال
ترنگی کا ہر اک دکھاتا ہے رنگ
کہیں ہجر کی گفتگو ہے چھڑی
کہیں قہقہے ہیں کہیں تالیاں
کہیں سینہ کوبی ہے نوحوں کے ساتھ
بنا ہے کوئی شاہ۔ اوڑھے ہے شال
کبھی پست ادبار ہے شال میں
ترقی پہ تعلیم ہے دن پہ دن
جو ہے مدرسہ ایک کالج پچاس
ہے لڑکوں سے اگزیمینیشن کا حال
چھپی ہے اُن امیدواروں کی لسٹ
جو گوہا ہیں وہ ہیں چٹرجی ہزار
اگر آئیے بمبئی کی طرف
مسلمان رکھتے ہیں عنقا کا حکم
کسی کو اگر اے۔ بی۔ سی آ گئی
سمجھ لے وہ معنی واٹر کے آب
سکول اور کالج سے اُس کی غرض
زبانی ہے جس بزم میں جمع و خرچ

کوئی سبز پردہ ہے کوئی لال ہے
کوئی اکثر غم سے پامال ہے
کہ دیکھو یہ بالفعل فی الحال ہے
کہیں وصل کی قیل اور قال ہے
کہیں رنج اور غم کا جنجال ہے
کہیں سُر، کہیں سم، کہیں تال ہے
گداگر بچھائے ہوئے کھال ہے
کبھی کھال پر چشم اقبال ہے
ہیں دو سو سکول ایک اگر سالہ[ط] ہے
ترقی پہ تعداد ہر سال ہے
بھرا ممبروں سے سنٹ ہال ہے
گزٹ کی مبارک جنہیں فال ہے
بنرجی ہیں سو، ایک اگر پال ہے
تو سہراب ہے رستم زال ہے
بُرا ان کا تعلیم میں حال ہے
تو اے۔ بی۔ سی۔ بی اے کی سی فال ہے
تو علما بس اک بحر سیّال ہے
ٹنس ہے کرکٹ ہے فٹ بال ہے
غم قوم سے سینہ غربال ہے

سلہ دکن میں ہندی مدرسے کو جس کو ہمارے ہاں پاٹ شالا کہتے ہیں سال کہتے ہیں۔

مگر کام کی بات کرتا نہیں
کہ شامت اُسے ذکرِ اعمال ہے

یہ ہے حال اکثر کا۔ پر ان میں بعض
کچھ ایسے بھی ہیں جن کا خوش حال ہے

(لیا جس نے یاں رشک و غیرت سے کام
وہی موجبِ رشکِ امثال ہے)

کوئی ان میں ہے زینتِ ہائی کورٹ
کوئی ملن کا انسل ہال ہے

کوئی عدل میں ثانیِ ثامن
کوئی بحث میں ہمسرِ بال ہے

مطابع بھی کثرت سے ہیں ہر جگہ
جہاں سنگ کاتب کا نقال ہے

جہاں بات ہے نرم سیسے کے ہاتھ
تو سُر بے فصاحت کی ٹکسال ہے

چھپا چھپ ہیں اخبار وہ چھپ رہے
خبر پھیلتی ہے عجب حال ہے

ٹکٹ کے قدم سے روانہ ہوا
پلندے ہیں پر ڈاک کی چال ہے

ہیں میزوں پہ آفس کی پھیلے ہوئے
مضامیں کا پھیلا ہوا جال ہے

کسی صفحے پر تار کی ہے خبر
کہیں اشتہاروں کا جنجال ہے

اڈیٹوریل کا ہے کالم کہیں
کہیں سیل۔ اکسچینج کا حال ہے

کہیں شہر خبروں کی لوکل ہے روح
رپورٹر کہیں جان لفّال ہے

کہیں ہے شگفتہ ظرائف کا ہار
کسی جا لطائف کا پھلمال ہے

پرکھتے ہیں صرّاف بن کر ریویو
جہاں جاری تصنیفی ٹکسال ہے

چلے کس طرح سے بھلا وہ کتاب
لگا جس میں کھوٹا کھرا مال ہے

کتابیں بھی چھپتی ہیں کثرت کے ساتھ
بڑا لائبریریوں کا اقبال ہے

ہیں تصنیفیں کم اور بہت ترجمے
کہ لذّت فزا قرض کا مال ہے

اڈیسن کا کوئی تو ہے ترجماں
کوئی شیکسپیر کا لفّال ہے

کوئی ہے بنا خوشہ چینِ رنالڈز
جسے خرمنِ علم پامال ہے

کوئی خوانِ بیکن کا ریزہ ربا
پڑا کھینچتا بال کی کھال ہے

کوئی آر کپلنگ کے جنگل میں گھس
شغالانہ مشغول اشغال ہے

غرض یہ تھیٹر میں تصنیف کے
ہر اک شخص یورپ کا نقّال ہے

ترقّی تمدّن کے جلوے یہ ہیں
یہ تہذیب کی شانِ اجلال ہے

مبارک ہو عالم کو شائستگی
کہ شائستگی وجہِ اقبال ہے

مبارک اودھ پنچ کو سالِ نو
کہ اقبال کا یہ نیا سال ہے

خریداروں کو بھی مبارک یہ سال
کہ اس سال کا خوش تر احوال ہے

نئے حوصلے ہیں نئی آرزو
نیا حال ہے اور نیا قال ہے

پرانے تردد نکالے گئے
بکھیڑا ہے کوئی نہ جنجال ہے

اتارے گئے کل پرانے لباس
نئی جیب ورنہ رومال ہے

مکاں ہے نیا اور قلعی نئی
نئے کمرے ہیں اور نیا ہال ہے

نہیں غم اگرچہ پرانی ہے میم
نئی چال ہے اور نئی ڈھال ہے

نیا گون ہے اور بانٹ نیا
نیا منہ پہ رنگت فزا جال ہے

پرانا بلا سے ہے انگول کا سٹ
نئے روز سے گال تو لال ہے

پرانا ہے گو بوٹ لک ہے نیا
لونڈر نیا، کہنہ رومال ہے

پرانی کو کرتی ہے زینت نئی
سجاوٹ سے بڑھیا جواں سال ہے

کمر تھام کر ناچیے پولکا
کہ ہر میم اب زینتِ بال ہے

پرانی میں بھی ہے نئی کا مزا
سبب اس کا یہ ہے نیا سال ہے

بھرا جھریوں میں ہے ماء الشباب
جوانی بھی ٹپکائے یاں رال ہے

غرض کیا تماشے کو تفصیل سے
اگر حسن حاصل بالاجمال ہے

ہرن بھول جاتے ہیں یاں چوکڑی
کچھ اس طرح کی دل ربا چال ہے

غٹرغوں ہے گٹ پٹ کبوتر وہ شوخ
لبِ لعل مرغِ ہما فال ہے

گر ایسے کبوتر سے رنگین ہو
مبارک وہ شہباز چنگال ہو

مناظرہ الماس و زگال
یعنی
ہیرے اور کوئلے کی لڑائی

ہیرے نے کہا اک دن کوئلے سے مخاطب ہو
گر تیغ پہ ہو قبضہ مریخ ہو قبضے میں
میں چتر ہوں نورانی شاہ کے لیے حاضر
جو مجھ سے ہوا نزدیک اقبال سے ہے نزدیک
ترشے ہیں مرے پہلو روشن ہیں مرے جوہر
باطن ہے مرا روشن مشرب ہے مرا صافی
اور تو کہ تری ظلمت گر چھائے زمانے میں
اس تیرہ درونی سے جلتا ہی رہے ہر دم
ہو شعلہ فشاں جس دم بڑھ جائے شرارت میں
جل جل کے جلاتا ہے پاتا ہے جسے خصم
افسردہ ہو تو جس دم افسردہ ہو بے معنی
پس کے ہو کولا انگشت کے زینے پہ

میں مہر ہوں گر دن ہو ہوں ماہ اگر شب ہو
گر تاج پہ ہو سایہ ہم رتبۂ کوکب ہو
جولان ہیں جس سمت اقبال کا اشہب ہو
شاہی کا مقرب ہو جو میرا مقرب ہو
جوہر ہے کہ یہ انساں کا اس طرح مہذب ہو
لازم ہے کہ یوں صافی ہر شخص کا مشرب ہو
سورج ہو تو چھپ جائے دن ہو تو وہیں شب ہو
تو رشک کی آتش پہ ہر آن معذب ہو
شعلے سے ترے پیدا زہر دم عقرب ہے
جب سوخت ہوں کل مطلب حاصل ہر مطلب ہو
افروختہ ہو جس دم افروختہ بے ڈھب ہو
سرگرم حجاب اس جا یوں طرب مودب ہو

مانا کہ ترے جوہر خورشید کے ہیں ہم
ظاہر پہ نہ جا میرے آثار سیاہی کے
ترکیب پہ ظاہر کی تعریض نہیں زیبا
چھیدے ہیں خدا جانے کتنے ہی جگر تو نے
کیوں زہر اُگلتا ہے؟ شعلے کی شرارت سے
جو خود ہو پڑا جلتا، تاب اُس کی بھلا کتنی؟
گو جلنے کو جلتا ہوں۔ پہ اتنی تسلّی ہے
کھیتی میں۔ تجارت میں لیں کام اگر مجھ سے
جب گیس کی صورت میں میں شہر کروں روشن
تسخیر کی قوت سے ہر دورہ ہی یاں صافی
ہے میرے ہی شعلوں سے یہ آتش سیمابی
مطبخ میں اگر میں ہوں سرگرم پکانے میں
ترکیب میں کھانوں کی حل میں جو کروں مشکل
سردی سے اکڑتے ہوں جب شاہ و گدا دونو
اخبار کے گنجینے آتے ہیں نظر مجھ سے
ہو طبع رسا میری مطبع پہ اگر مائل
کپڑوں کی درستی پر گر قصد کروں ہمّت
ہو ردّ و لتّ کاغذ پر گر صرف مری کوشش
گھولوں میں سمندر میں گر قند صفائی کا
خوشبو کی بقا ہو میں خوش خوش ہوں اگر عنبر
پھر فرق اگر گز ہیں کچھ زیبہ نہیں مجھ کو

ممکن کہ ترا جلوہ یہ جلوۂ کوکب ہو
ظاہر ہیں سویدا سے دل سے تو مخاطب ہو
خود میرے ہی اجزا سے جب تو بھی کب ہو
ہر ایک کنی تیری برچھی کی انی جب ہو
پیدا وہی تجھ میں بھی سمّیت عقرب ہو
ہو تاب بھی اُس کی جب خواستہ رب ہو
جلنے سے مرے ساماں راحت کا مرتّب ہو
ہر ملک شائستہ۔ ہر قوم مہذّب ہو
یہ ریل یہ اسٹیمر جو ہو مرا مرکب ہو
اس طرح صفا آگیں مشرب ہو تو مشرب ہو
زہراب کو جو غم کے تریاق مجرّب ہو
احسان دہاں مانے۔ لب زیرِ ثنا کب ہو
انواعِ لذائذ سے ہر جنس مرکّب ہو
شاہوں کے تقرب کا حاصل نہ مجھے منصب ہو
یہ گنج وہ ہیں جن میں گنجینۂ مطلب ہو
آباد کتابوں سے تہذیب کا مکتب ہو
وہ جنس کروں پیدا جو ہر کو مرتّب ہو
ہر تختہ مُطلّا ہو۔ ہر صفحہ مُذہّب ہو
پھر قند سے ہر قطرہ شیرینی میں اعذب ہو
ہر فصل زمانے کی خوشبو سے مُطیّب ہو
میں تیرا مسبّب ہوں تو میرا مسبّب ہو

شہباز پھڑک اُٹھے روح اسدی سُن کر
گر گلِ جواہر سے یہ نظم ملقّب ہو

طائر الفردوس

پیاری شکل مبارک سرشت کی چڑیا
نشیمن ان کا ہی خوشبو بھرے جزیروں میں

ہوا کی موج جو خوشبو سمیٹ لاتی ہی
جزائر ان کے ہیں سچ مچ وہ رشکِ باغِ ارم

عجب نہیں ہی کہ کچھ دن زیادہ نہر جیسے
پہاڑ ان کے ہیں پہنے زمرّدیں پوشاک

نصیب ان کو ہی دلچسپ جنگلوں کا سماں
گھنے درخت ہیں اک انجمن جمائے ہوئے

ہی پیڑ یا کہ مصالح کے عطر کا کنٹر
ہر اک درخت کی ہی شاخ شاخ طوبےٰ کی

نہیں طیور ہیں باغوں میں تازہ پھول کھلے
نمودِ مخملِ رنگیں ہی سر سے گردن تک

نظر کے واسطے ہی یہ عجب بہشتی فرش
زمیں کے پیٹ میں ہوں جسقدر بھرے جوہر

حریر کی ہی ملائمت ۔ گلاب کی نرمی
سفیدی چاندی کی ۔ سونے کی اُس میں زردی ہی

ملی ہی ہمکو زمیں پر بہشت کی چڑیا
بھرے ہیں ان کے ہزاروں ہرے جزیروں میں

منڈل وہ ان کے گھروں میں بکھیر جاتی ہی
کہ بحر آن کے لیں گرم جوشیوں سے قدم

جو ان کے شہروں کے دھو دھو کے پانو نہر جیسے
کہ جن پہ زہر ہیں کھاتے یہ نیلگوں افلاک

کہ جن پہ پھیل رہا ہی نظر فروز دُھواں
ادائیں اپنی ہیں لوگوں کے دل لبھائے ہوئے

درخت کا ہی یہ چنبر کہ طبلۂ عنبر
لگی ہی بھیڑ طیورِ بہشت ماوی کی

کہ جن سے آنکھوں کو گلدستۂ سرور ملے
دکھاتی قوسِ قزح کی جھلک ہی جن کی چمک

نظر دکھاتی ہی جس فرش سے خدا کا عرش
نثار ان کے سر و گردن مرصّع پر

طلسم کی ہی تجلّی ۔ حیات کی گرمی
عجیب روپ سے دُم ان کی لاجوردی ہی

جیسے بتاتے ہیں دم مور بوہی بالِ پری
رہیں ذرا ابھی طاؤس دم دبائے ہوئے
ہوا ہیں ان کا پرا چتر ہی سلیماں کا
جو رنگ رنگ طیور طلسم پوش اڑے
چنی ہی سبز معلّق ہوا پہ قدرت نے
ہی جان شیریں لیے طشتری میں شیرینی
غذا ہیں ان کی ہی نقش و نگار کا جادو
نہیں ہی کیک۔ نہ ہو۔ ان کو کیا نہ بسکٹ ہو
پڑی ہی تلب میں برسات سے ہراس کی طرح
اس ان کے خوف سے پہ دلیپوں کو ہی یہ امید
وطن کو چھوڑتے ہیں یہ ہراس کے باعث
گزارتے ہیں یہ برسات غیر ملکوں میں
سجھائی ان کو ہی آفت ہیں دور کی بارش
سفر کے وقت یہ جس کو امام کرتے ہیں
امام ان کا کہ جو حکم شاہ رکھتا ہی
ہیں انھی کی دم پہ عجب زرنگار پھول بنے
کھلا ہی حسن فزا پھولوں میں وہ زریں باغ
کسی قدر وہ سبھوں سے بلند رہتا ہی
ہر ان کوے کے وہ اڑتا ہوا کے رخ کے خلاف
مقابلہ کبھی طوفاں سے راہ میں گر ہو
ہو رفتہ رفتہ وہ حاصل انھیں ہوا پہ اوج

عجب نہیں جو پری بھول جائے بالِ پری
کہ یاں ہیں تارِ شعاعی سمٹ کے آئے ہوئے
پری بھی دوڑے اکھاڑا سمجھ پرستاں کا
تو رنگ خاص سے قوس قزح کے ہوش اڑے
کہ جس میں جاں کی حلاوت بھری ہی لذّت نے
ہزار رنگ کی ہی طشتری ہیں یہ رنگینی
ہی پرورش کو یہ ہر ورد گار کا جادو
شراب اس کی ہوا تتلیوں کا کٹلٹ ہو
منہ ان کی چڑھے حسینانِ خوش لباس کی طرح
کہ دیکھ لیں گے پروں میں تجلّی خورشید
سفر یہ کرتے ہیں زرّیں لباس کے باعث
ہیں پھرتے دیکھتے دکھلاتے سیر ملکوں میں
ہی ان سے ملکوں میں بارش میں نور کی بارش
اطاعت اس کی بصد اہتمام کرتے ہیں
خیالِ مرحلۂ و شاہ راہ رکھتا ہی
کہ جس سے تار نظر دامن حصول سے بنے
کہ دل میں ہی دم طاؤس کے بھی جس کا داغ
کہ سر بلند سدا ہوشمند رہتا ہی
الٹ کے آنے پڑے منہ پہ تا پروں کا غلاف
عروج خاص پہ سرگرم اس کا لشکر ہو
نہ چھو سکے کبھی طوفاں فزا ہوا کی موج

یہ پیچھے اُس کے چلے آٹھ پہر جاتے ہیں
ہیں کرتے جاڑوں میں اصلی وطن کو اپنے رجوع
ہیں واقعی وہ جزیرے جزائر الفردوس
پروں میں جلوہ قدرت سے ہی ظہورِ خدا

جہاں کہیں وہ ٹھہر جائے۔ ٹھہر جاتے ہیں
کہ جیسے مہر کرے شوق میں دوبارہ طلوع
کہ جن میں بستے ہیں خوش رنگ طائر الفردوس
غلط نہیں۔ انھیں کہتے جو ہیں طیورِ خدا

آئینۂ تہذیب

کچھ کچھ قویٰ سے کام لے۔ بیکار مت بیکار رہ
بیکار رہنا ہی برا۔ اس کام سے بیزار رہ
ہر فعل کی اصلاح کر۔ ہر لحظہ خوش کردار رہ
آنکھیں کھلی رکھ ہر گھڑی۔ سونے میں بھی بیدار رہ
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ۔ مستی میں بھی ہشیار رہ

تعلیم کی خراد پر اس قلبِ نادان کو چڑھا
علمی ہلٹن سے کوئی اخلاق کا زیور گھڑھا
پڑھ کر جو تو فارغ ہوا۔ بچوں کو بھی اپنے پڑھا
شغلِ کتب بینی بھی رکھ اور قابلیت کو بڑھا
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ۔ مستی میں بھی ہشیار رہ

مت لے خطاب اس عہد میں اپنے لیے نادان کا
جوہر سے استعداد کے پُر ہی خزینہ جان کا

تعلیم کی گر ہو مدد جوہر یہ ہو اک شان کا
تعلیم ہی حکاک ہے اس جوہر انسان کا
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

گر کاوش تعلیم ہو جوہر یہ نکلے کان سے
تہذیب کے آئین سے ترشے تو چمکے شان سے
گر آدمی حیوان ہو۔ انسان ہو حیوان سے
انسان ہی پھر کیوں رہے؟ ہو وہ ملک انسان سے
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں بھی مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

گر کوٹ ہی ڈانٹا تو کیا۔ پتلون ہی پہنا تو کیا؟
طرلوش ہی اوڑھی تو کیا۔ لٹکا ہی گر پھندنا تو کیا؟
عینک لگائی اور نہیں گر دیدہ بینا تو کیا؟
سب کچھ ہوا اپنا اور نہیں گر علم ہی اپنا تو کیا؟
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

رکھ پھر سے ڈنڈے کو الگ۔ ہوتا ہے اس ڈنڈے سے کیا؟
دعوے کے جھنڈے کو اٹھا۔ ہوتا ہے اس جھنڈے سے کیا؟
ٹھنڈے میں گر بیٹھا ہے تو۔ ہوتا ہے اس ٹھنڈے سے کیا؟
بے علم گو سنڈا ہوا۔ ہوتا ہے اس سنڈے سے کیا؟
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مے سے تو سرشار رہ

ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

یوں ہو کہ تو تو چپ رہے اور لوگ ہوں رطب اللساں
شیریں بیانی توصیف سے ہوں سب کے سب عذب البیاں
علم و فنوں کے ملک میں ہو صاحب نام و نشاں
تحقیق کی سرکار میں حاصل تجھے ہو عزّو شاں
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

شوکت اور کوٹھی کی کیا؟ گر علم کی شوکت نہیں
ہوتی گدھے کی کھال سے ضیغم کی وہ ہیبت نہیں
ظاہر کی سطوت ہیچ ہے گر باطنی سطوت نہیں
سلطان تھیٹر میں بہت۔ سلطاں کی وہ وقعت نہیں
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

ہے گر سلیپر چار کا۔ یا دس گنی کا بوٹ ہے
بیور کا سر پر ہیٹ ہے۔ یا بر میں بھاری سوٹ ہے
محروم ہے گر علم سے تو ساری شیخی جھوٹ ہے
تو ڈیبگ کی رجمنٹ کا اک بے تربیت رنگروٹ ہے
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

ہیں دخت رز میں مستیاں۔ اس مست کو منہ مت لگا
جتنے ہیں ارباب نشاط ان کو تو مجلس سے بھگا

ٹھگ لیتے ہیں بہ نقدِ دل - ہی سیکڑوں ہی کو ٹھگا
مت عشق کی غفلت میں پڑ - ہشیار ہو دل کو جگا
تہذیب کا یہ دور ہی - اس می سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ - مستی میں بھی ہشیار رہ

پی کر شرابِ بد طعم کیوں عقل یوں کھوتا ہی تو
کیوں اپنے دل کی لوح سے حرفِ خرد دھوتا ہی تو
شاکی جگر کا ہی کبھی - آنکھوں کو گہ روتا ہی تو
کانٹے پھر اپنی راہ میں یوں کس لیے بوتا ہی تو؟
تہذیب کا یہ دَور ہی - اس می سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ - مستی میں بھی ہشیار رہ

کہتے ہیں سب اس کو شراب - اس آب شر سے دُور رہ
ہو جس بشر کے پاس یہ - تو اُس بشر سے دُور رہ
شارب ہو گیا لختِ جگر - لختِ جگر سے دور رہ
آنکھوں پہ رکھ لے ٹھیکری - نورِ نظر سے دُور رہ
تہذیب کا یہ دَور ہی - اس می سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ - مستی میں بھی ہشیار رہ

شیشے کے ہر ٹکڑے کو تو زخمِ جگر کا گھر سمجھ
گو می میں ہو کچھ خیر بھی - تو اُس کو یکسر شر سمجھ
امید کا مت نام لے - ڈرتا رہ اس کو ڈر سمجھ
گھنٹوں ہی پھر اُلٹی رہے - گو تیز ہو دم بھر سمجھ
تہذیب کا یہ دَور ہی - اس می سے تو ہشیار رہ

ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

ہے میم کا سایہ بڑا - رہ اُس پڑے جن سے بچا
جس ناچ پر بھولا ہے تو - اک دن وہ چھوڑے گا نچا
ہندوستانی بیوی لا اور عیش کی دھومیں مچا
سکھلا سلیقہ اور ہنر اور عمر بھر شادی رچا

تہذیب کا یہ دور ہے - اس دور سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

اہلِ فرنگ اہلیہ کو کہتے ہیں نصفِ خوبتر
گر علم کی زینت نہیں - تو ہے وہی معیوب تر
تو علم کی ترغیب سے اُن کو بنا مرغوب تر
اخلاق کے زیور پہنا - ہو جائیں جو محبوب تر

تہذیب کا یہ دور ہے - اس دور سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

تعلیم نسواں پر اگر ہمت تری مائل رہے
پردہ جہالت کا سدا کیوں اس طرح حائل رہے؟
گردِ کدورت علم کی صیقل سے گر زائل رہے
ان عورتوں کے قلب کی ہر میم بھی قائل رہے

تہذیب کا یہ دور ہے - اس دور سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

جب لطف ہے پھیلا ہوا چولھے کے پاس اخبار ہو
چھلنی ہو ترکاری جہاں واں علم کی تکرار ہو

سینا پرونا ہو جہاں واں عقل کا اظہار ہو
ہر جا کتابوں کا لگا خلوت میں اک انبار ہو
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

عقلِ فرنگ اچھی سہی۔ حسنِ فرنگ اچھا نہیں
گر شا ذو نادر یہ بھی ہو عفّت کا ڈھنگ اچھا نہیں
ہیں سب ارنگے اک رنگ میں میموں کا رنگ اچھا نہیں
ان کے کشادہ خرچ سے ہو حال تنگ اچھا نہیں
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

جس وقت دل میں بال کا شوق آن کر لہرائے گا
تو دیکھ کر بیکر کا بِل دل میں بہت گھبرائے گا
سرکار سے گو سیکڑوں تنخواہ میں تو پائے گا
تنخواہ تیری جزوِ کل اک گون ہی کھا جائے گا
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

رہنے کو ان کے چاہیے کوٹھی عجائب شان کی
ہو آسمانِ اوّلیں جس کے زمیں ایوان کی
سامانِ آرائش بھی ہو۔ افراط ہو سامان کی
ہوں خان سامان لاتعد۔ گنتی نہ ہو دربان کی
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مے سے تو سرشار رہ

ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

پینے کو ان کے شامپین - اکسا - برانڈی چاہیے
اک وقت النم چاہیے - اک وقت وسکی چاہیے
کچھ دن بیئر درکار ہو - کچھ روز شیری چاہیے
سوڈا الونڈا بھی کبھی بہر تسلّی چاہیے

تہذیب کا یہ دور ہے - اس میں سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

بسکٹ کا گر کچھ چاؤ ہو تو ہنٹلی پامر ہی ہو
سرکہ اگر درکار ہو تیاری کلنز ہی ہو
کنٹر اگر مطلوب ہو صنّاعی اسلہ ہی ہو
کاغذ قلم کے واسطے ہر شہر میں ٹھیکہ ہی ہو

تہذیب کا یہ دور ہے - اس میں سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

روشن مثالِ شمع ہو - پھیلا پھرا بنی روشنی
ہو روشنی فانوس بیاں - کچھ چھن رہی کچھ ہو چھنی
عالم چراغاں کا رہے - ہو روشنی یکسر گھنی
ہر انجمن ہو - جگمگی - برسوں رہے یوں ہی بنی

تہذیب کا یہ دور ہے - اس میں سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

لمپوں میں ریڈنگ لمپ سے ہر شام یاں تو کام رکھ
پھر روشنیِ علم سے روشن تو اپنی شام رکھ

سرطاقِ محنت میں جھکا اور طاق پہ آرام رکھ
گر فیض پائے علم سے تو فیض سب پہ عام رکھ
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

تفریحِ خاطر کو اگر علمی کلب میں جائے تو
بلیرڈ اور شطرنج سے کم اپنا دل بہلائے تو
عمدہ کتابیں علم کی الماریوں سے لائے تو
یا دو گھڑی کی سیر کو اخبار ہی پھیلائے تو
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

لکھا بھی کر گر علم سے روشن ترے افکار ہیں
تحریر گر مطبوع ہو تو بیسیوں اخبار ہیں
افراط ہفتہ وار ہیں، روزانہ بھی دو چار ہیں
وہ بھی ہیں کچھ چھپتے جو یاں ہر ماہ میں دو چار ہیں
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

دل ہی اگر مدِ نظر تو رکھ مسٹر سے رابطہ
آجائے گا پھر ضبط میں وہ دل گدازی ضابطہ
مایوسیوں میں مبتلا کیوں ہوں قلوبِ قانطہ
گر ماسٹر فی درکار ہے، رکھیں حسن سے واسطہ
تہذیب کا یہ دور ہے اس میں سے تو ہشیار رہ

ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

ہم درد ہی گر قوم کا تو انجمن میں شور کر
برسا دے مینہ الفاظ کا۔ تقریر اک گھنگھور کر
کم زور کی تائید میں طاقت بھر اپنی زور کر
بیمار کا آزار کھو۔ تدبیر چشم کور کر
تہذیب کا یہ دور ہی۔ اس میں سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

گر نفس ہیں کچھ قوم میں۔ اصلاح کی تکلیف لے
مشغول ہو تالیف میں اور عمدہ تصنیف لے
ہر بزم میں شاباش سن۔ ہر ذکر میں تعریف لے
تعظیم کا خلعت پہن۔ اعزاز کی تشریف لے
تہذیب کا یہ دور ہی۔ اس میں سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

زیر حکومت ہو ترے انصاف کا گر محکمہ
پہچان کس پر ظلم ہی۔ کس سے نے ہمیٹا مظلمہ
تحقیق کے کانوں سے سن قانون کا ہر زمزمہ
پھر کر شبانی عدل کی۔ کر شیر سے حفظ رمہ
تہذیب کا یہ دور ہی۔ اس میں سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

مستعان کھوٹے کو کھرا پولیس کی ممنوبہ سے
غافل نہ ہو انصاف سے حکام کی تنبیہ سے

مت چھوڑ راہِ راستی کج بحثیٔ تو جہد سے
کچھ لوٹ مت رکھ ہو غرض گر نفس کی تفسیر سے

تہذیب کا یہ دور ہی۔ اس مے سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

اخفاقِ حق میں خلق کے دن رات بذلِ جہد کر
تلخیِ ظلم و جور کو انصاف سے تو شہد کر
ہو ظلم گر اس عہد میں انصاف کا تو عہد کر
گہوارہ ہو گر جور کا تو معدلت کا مہد کر

تہذیب کا یہ دور ہی۔ اس مے سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

ٹلتی نہ ہو جس کی بلا۔ تجھ سے ٹلے تو ٹال دے
پلتا نہ ہو گر کوئی دم۔ تجھ سے پلے تو پال دے
اقبال ہی حق نے دیا تو صدقۂ اقبال دے
کوڑی نہ ہو جس جیب میں تو اس میں پیسا ڈال دے

تہذیب کا یہ دور ہی۔ اس مے سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

رکھتا ہی موزوں طبع اگر۔ کر با نتیجہ شاعری
اصلاح جس سے قوم کی ہو باطنی یا ظاہری
سحرِ حلال اس طرز میں دکھلا نہ راہ ساحری
باطل ہو اس کے روبرو ہو گرچہ سحرِ سامری

تہذیب کا یہ دور ہی۔ اس مے سے تو ہشیار رہ

ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

کیا لطف باغِ عشق میں گر شاعری پھولی پھلی
کس کام کی بچ بھی گئی گر کچھ دلوں میں کھلبلی
ان کی سمجھ ہی کیا لگی گر نوجوانوں کو بھلی
وہ بات کر جس سے کھلے اسرار جو دل کی کلی
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

رکھ شاعرانہ آنکھ سے ہر جزو عالم پر نظر
ہر نکتۂ دلچسپ کا پھر تول رکھ دل میں اثر
تحقیق کر کس بات میں ہے نفع اور کس میں ضرر
پھر پُر اثر تقریر سے دے اہل عالم کو خبر
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

ہر واقعے کی شان پر تیری نظر پڑتی رہے
گردِ جہالت چشم کے دامان سے جھڑتی رہے
باتیں عجائب ہر گھڑی فکر رسا گھڑتی رہے
تفریح کے مضمون پر طبع رسا لڑتی رہے
تہذیب کا یہ دور ہے اس میں سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

گر آپ سے گھوڑا اُڑا یہ بھی وہیں جھٹ پٹ مُڑا
ہے پیٹھ پر یہ بھی اگر بھاگا گدھا رسّی تُڑا

دیکھا اگر الّو کہیں۔ الّو ہی سے کچھ لے اُڑا
جانا غنیمت ذہن نے جس وقت جو اُس کو جڑا
تہذیب کا یہ دور ہی۔ اس می سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

حاصل ہی قعرِ بحر میں مچھلی کی آسانی اسے
چوٹی پہ گر یہ جا پڑے ہو کچھ نہ حیرانی اسے
بخشے نہ اصلا خیرگی سورج کی تابانی اسے
چمکائے معلومات کی ہر دم فراوانی اسے
تہذیب کا یہ دور ہی۔ اس می سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

یہ نوعِ انساں کی کتاب اللہ کی تصنیف ہی
ہر صفحہ اس تصنیف کا شایانِ صد توصیف ہی
پڑھنے میں اس تصنیف کے گو سر بسر تکلیف ہی
دو چار ہی صفحے تو پڑھ یہ بھی بڑی تعریف ہی
تہذیب کا یہ دور ہی۔ اس می سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

نکتے ہزاروں طرح کے ہیں صفحے صفحے میں بھرے
اس نسخے کے ہر صفحے پر لازم ہی غور انساں کرے
مت چڑ کسی انسان سے مت گر کسی کو تو پرے
عاقل وہی ہی جو یہاں ہر مرد سے کچھ لے مرے
تہذیب کا یہ دور ہی۔ اس می سے تو سرشار رہ

ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

میلا جہاں ہے جا بجا - میلے کی ماہیت سمجھ
توفیق کی توجیہ کر - اوقات جمعیت سمجھ
انواعِ محویت کو دیکھ - اسبابِ محویت سمجھ
ہر ایک کا مقصد پرکھ - ہر ایک کی نیت سمجھ

تہذیب کا یہ دور ہے - اس میں سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

جوگی سے کوئی میل کر - تو نقش گر سے ربط رکھ
مت جا گدھوں کے شور پر - دھوبی کے گھر سے ربط رکھ
ہو جائے گا کندن یہ دل - زرگر پسر سے ربط رکھ
سقراط کو کر پیشوا - ہر پیشہ ور سے ربط رکھ

تہذیب کا یہ دور ہے - اس میں سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

گر نفس پر قدرت نہ ہو کچھ - اوباش کی صحبت بھی رکھ
مُردوں کا گر رکھتا ہے غم - بشاش کی صحبت بھی رکھ
[illegible] ہے - عیاش کی صحبت بھی رکھ
افسردہ کیوں ہے فکر میں - بشاش کی صحبت بھی رکھ

تہذیب کا یہ دور ہے - اس میں سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

ہر صلح کی تعریف کر - ہر جنگ کا رکھ تجربہ
ہر مرد کی ماہیت سمجھ - ہر رنگ کا رکھ تجربہ

چمکا تو کیا ہر رنگ میں۔ ہر ڈھنگ کا رکھ تجربہ
ہر ڈھنگ سے آگاہ رہ۔ ہر رنگ کا رکھ تجربہ
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ ہستی میں بھی ہشیار رہ

گر جان صاحب کی غزل یا ریختی رنگیں کی ہے
پھکڑ ہے یا سلطان کا یا ہزل چرکیں وجہ نے
یا ہرزہ جعفر زٹل۔ کر ان مراحل کو بھی طے
ہے یہ کسی نے سچ کہا یہ علم شئ از جہل شئ
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ ہستی میں بھی ہشیار رہ

ہے بوئے عیاشی بڑی غزلوں کے منہ سے آ رہی
کس منہ سے تو نے یہ غزل اب اس زمانے میں کہی
پھینک آ قصائد مدح کے۔ باقی نہیں عہدِ شہی
رستہ ہدایت کا پکڑ۔ وہ چھوڑ اگلی گم رہی
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ ہستی میں بھی ہشیار رہ

دو سوختنی کو لے آگ میں یوں ہی امانت ڈال دے
تیری بلا سے گر شرر اس میں خیانت ڈال دے
نوحے مسدس میں لکھ کوئی۔ شور فطانت ڈال دے
قالب میں نظمِ پاک کے جانِ نو ہانت ڈال دے
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو ہشیار رہ

ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

راغب ہو فنِّ نظم میں گر طبع سوے مثنوی
حکمت اثر دیں گے سبق تجھ کو حکیم غزنوی
دو ہی احق بالاقتدا ہیں مولوی معنوی
ہو ذہن میں گر اختراع اس طرز کو بھی دے نوی
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مے سے تو ہشیار رکھ
ہشیاریوں میں مست رہ۔ مستی میں بھی ہشیار رہ

قطعہ۔ مسدّس۔ مثنوی۔ خمسہ۔ رُباعی۔ یا غزل
جو چیز لکھ اس طرح لکھ۔ مقبول ہو بین الملل
جاہل میں پیدا علم ہو۔ عالم میں ہو حسنِ عمل
اخلاق کی اصلاح ہو۔ ہر طرح ہو رفعِ خلل
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مے سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ۔ مستی میں بھی ہشیار رہ

شاعر کے فن کے واسطے حاجت ہے معلومات کی
قدرت ہو تا پیدا اُسے ہر بات کے اثبات کی
سو سو طرح ثابت کرے تقریر ہو جس بات کی
کھینچے خوشی میں دن کی وہ تصویر غم میں رات کی
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مے سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ۔ مستی میں بھی ہشیار رہ

احوال عالم پر نظر تا حدِّ امکانِ بشر
ابنائے حکمت کی نظر میں ہو کمالِ منتظر

حکمت فریں شاعر مگر ہی وہ جو معلومات پر
کرکے تصرف قلب پر ہی ڈالتا مطلوب اثر

تہذیب کا یہ دور ہی۔ اس می سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

بس شاعری کی شاخ کو درکار ہی حکمت کی جڑ
حکمت کی چوکھٹ پر پہنچ، دن رات پیشانی رگڑ
نہ دیں تری تفتیش کی جو علم وحشی ہو پکڑ
ترکیب میں رہ علم کی - جہلِ مرکب میں نہ پڑ

تہذیب کا یہ دور ہی۔ اس می سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

علم ریاضی کے لیے برسوں ریاضت چاہیے
فنِ طبیعی میں بہت صرفِ طبیعت چاہیے
برسوں الٰہیات میں دن رات محنت چاہیے
فن نظر میں فکر سے ہر لحظہ حجت چاہیے

تہذیب کا یہ دور ہی۔ اس می سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

ہیئت میں دل پر نقش ہو احوال جذبِ عام کا
لگ جائے لگّا درس کا کھلتے ہی نسخہ شام کا
بزمِ ثوابت سے عیاں مضمون ہو آرام کا
ظاہر ہو سیّارات سے سرگردشِ ایام کا

تہذیب کا یہ دور ہی۔ اس می سے تو سرشار رہ

ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

اٹھ جائیں پردے آنکھ کے ہر شئے کی ہو گر دور بیں
پیشِ نظر افلاک پر ہو جلوۂ روئے زمیں
آئے نظر مخلوق پھر ہر سو زمیں پر جاگزیں
عالم ہزاروں کھل پڑیں سبحان رب العالمیں
تہذیب کا یہ دور ہے - اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

تارے کہ جو ہیں رات کو واقع میں مشعل راہ کی
ہو ان کے دیکھے روشنی افزون دل آگاہ کی
آئے طلائی حرف میں قدرت نظر اللہ کی
اقلیم ہو تہ نظر اُس سچے شاہنشاہ کی
تہذیب کا یہ دور ہے - اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

جس دم اُفق کا دائرہ کھنچ جائے سطحِ آب پر
سرپوش ہو افلاک کا اک تختۂ سیماب پر
ہو تختۂ سیماب پر کھولے ہوئے سرخاب پر
ہیئت کی ضو سے راستہ روشن ہو شیخ و شاب پر
تہذیب کا یہ دور ہے اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

ہر دم جہاز اس سے چلا - ہر راہ میں کپتان ہو
پیشِ نظر کمپاس ہو قبضے میں تا سکّان ہو

منزل نہیں کچھ دور ہے۔ تو برہمن ہو یا مسلمان ہو
ہر کان میں اس علم سے منزل شناس انسان ہو

تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

مضبوط ہر تمہید ہے مربوط ہر تقریب ہے
سنجیدہ ہر مضمون ہے۔ برجستہ ہر ترکیب ہے

معقول ہر تحریص ہے۔ دل چسپ ہر ترغیب ہے
شہباز نام اس نظم کا آئینہ تہذیب ہے

تہذیب کا یہ دور ہے اس میں سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

نظامی پریس کی ایک آنہ لائبریری

(مینیجر نظامی پریس بدایوں سے منگائیے)

(نوٹ) مندرجہ ذیل آٹھ کتب جن میں سے ہر ایک کی قیمت ایک آنہ ہے اگر ایک ساتھ منگائی جاویں تو بجائے ۱۰؍ کے صرف ۸؍ کا وی پی مع محصول وغیرہ بھیجا جائیگا۔

۱- بنی جی کی خوشی (زنانہ مولود شریف) لڑکیوں کے لیے۔

۲- بچوں کا حساب - زبانی حساب کے گر۔ اردو ہندسے اور پہاڑے۔

۳- ایک نادان خداپرست اور دانا دنیادار کی کہانی۔ مصنفہ سرسیّد مرحوم

۴- انشاء اللہ۔ ایک پرلطف مکالمہ مصنّفہ سرسیّد مرحوم

۵- راکھ بیگم بچوں کے پڑھنے کے قابل نہایت آسان نظم۔

۶- بدمزاج شوہر۔ بچوں بیاہوں کے لیے نہایت آسان اور عام فہم نثر کا قصّہ۔

۷- مرزا پھویا۔ علی گڑھ کالج کے متعلق ایک پرلطف نظم مصنفہ مسٹر سجّاد حیدر بی اے

۸- مرثیہ مرزا غالب۔ مصنفہ مولانا حالی مرحوم۔

اُردو دیوانِ غالب کا خاص ایڈیشن

مع

ایک پُرلطف دیباچہ اور مرزا کی مختصر سوانح عمری کے

مرزا کا فوٹو بھی شامل ہے ۲۰×۲۶/۱۶ کی خوشنما تقطیع عمدہ کاغذ جلی قلم نہایت خوشخط حجم ۲۸۴ صفحہ قیمت باعتبار امتیاز کاغذ و نفاست ٹائٹل پیج قسم اول عہ قسم دوم عہ/ فی جلد۔ تعلیم یافتہ اصحاب جن کی آنکھیں کتابی معنوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ظاہری نفاست، نظر فریبیوں اور دیدہ زیب اداؤں کو ڈھونڈھتی ہیں اس دیوان کی ایک جلد اپنے اپنے کتب خانہ کے لیے ضرور منگائیں۔

کسوف الشمسین

شمس العلما مولانا شبلی اور شمس العلما خواجہ حالی کا مرثیہ مصنفہ حضرت احسن مارہروی۔ جس کے ساتھ ان دونوں آفتاب و ماہتاب علم و ادب کے حالات زندگی نثر میں بھی لکھے گئے ہیں۔ تقطیع عمدہ ورق ۲۰×۳۰/۸ حجم ۹۰ صفحے قیمت فی جلد ۴/

درخواستوں کا پتہ: منیجر نظامی پریس بدایوں

نظامی پریس بدایوں میں

لکھائی چھپائی کا کام خاص اہتمام سے ہوتا ہے
اگر آپ اس سے کام لینا چاہتے ہیں تو منیجر
سے شرح چھپائی دریافت کیجیے۔

منیجر

مجموعۂ بے نظیر

جناب شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب مترجم قرآن کی تمام اُردو اور عربی نظموں کا بیش بہا مجموعہ چھپ کر تیار ہی۔ مولف نے دیباچے میں سبب تالیف اور مولانا ممدوح کی شاعری اور اُن کے خیالات شاعری پر بحث کی ہی۔ ہر نظم کی ابتدا میں نظم کی شانِ نزول بھی لکھی گئی ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ نظم کس زمانے میں لکھی گئی کیوں لکھی گئی اور کس مجلس میں پڑھی گئی۔ اس مجموعے میں چند عربی قصائد اور تاریخیں بھی مع اُردو ترجمہ ہیں۔ چند نظمیں اور بھی ہیں۔ قصائد عربی سر ولیم میور سابق لفٹنٹ گورنر وغیرہ کی شان میں لکھے گئے ہیں۔ غرض مجموعہ نظم بے نظیر قابل دید ہی۔ کیونکہ یہ بات مسلم ہی کہ مولانا کی نظموں میں نصائح کے جواہر بے بہا کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں۔ زبان کی صفائی اور شستگی آب حیات کو مات کرتی ہی خیالات کی رو سے یہ مجموعہ سر پر رکھنے کے قابل ہی قیمت علاوہ محصول ڈاک ایک روپیہ عہ

وکیل نسواں

یعنی

جواز تعلیم نسواں کے عقلی و نقلی دلائل اور عملی اور دل نشین تدابیر مصنفہ مولوی سید افتخار عالم صاحب جس کو سلیکٹ کمیٹی تعلیم نسواں متعلقہ محمڈن اینگلو اورینٹیل ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ کلکتہ نے دسمبر ۱۸۹۹ء میں اول نمبر پر بانعام دس اشرفی انتخاب کیا۔ قیمت فی جلد علاوہ محصول ڈاک آٹھ آنے ۸ر

الملتمس

سید محمود عالم۔ محلہ پیرزادگان قصبہ مارہرہ ضلع ایٹہ

ممالک متحدہ آگرہ

خیالات آزاد | جو اودھ پنچ کے مشہور اور مقبول نامہ نگار عالی جناب نواب سید محمد خان بہادر آئی - ایس - او (جن کا فرضی نام ۳۵ برس سے اُردو اخبارات میں مولنا آزاد رہا ہی) کے پُرزور قلم ظرافت رقم کا نتیجہ ہی اور اپنی عام شہرت اور خاص دلچسپی سے اُردو کے عالم انشا میں اپنا آپ ہی نظیر ہی بار دیگر نہایت آب و تاب سے چھپ کر سرمۂ کش دیدۂ اولی الابصار ہی۔ ذیل کے پتہ سے وی - پی - پارسل طلب فرمایئے - قیمت ایک ؏ روپیہ

کتب زیر ترتیب | (۱) خیالات آزاد کا دوسرا حصہ متضمن مضامین متین و اخلاق آگین۔

تفصیل مضامین یہ ہی:-

ع - مرغی بیمار و مرغی بخور - (سفارش) مسلمانوں کا افلاس - پرستار پرستی - بنگالے میں شادی - سبب مقدمہ بازی و خانہ بربادی - ولایت کا سفر اور مسلمان طالب علم - ولایت جانے کا مالیخولیا - میکہ چھٹے ع - اسے ذوق دیکھ دختر رز کو نہ منھ لگا - (مذمت شراب خواری) ع - پیری میں جوانی کے مزے یاد کریں گے - (بڑھاپے میں شادی) عشرت ہی - آفت ہی - مصیبت ہی - قیامت ہی (بیویوں کی مظلومیت) صوبہ بہار اور رشوت - بہار کے مسلمانوں میں نکاح ثانی - پیرمن خس است اعتقاد من بس است - (سریع الاعتقادی) حکام رس اور نام ورنبنے کا شوق - ہر کارے دہر مردے - فاحشہ عورتوں کی محبت اور اُس کے نتائج - کلکتے میں مسلمانوں کے ہوٹل کی ضرورت - جیسا دیس ویسا بھیس - جان بھی نثار عیش ہی - ایک مسلمان انگریزی داں طالب علم کے زمانۂ تحصیل کے حالات و خیالات بعض میاںجی بھی غضب کے ہوتے ہیں میراثن - عالی خاندانی و صفت راجہ بابو گفت - تونے کیسی ہو کر کیا پایا - لعنۃ اللہ علی داخل النسب وعلی خارج النسب - لباس انگریزی کے فوائد - دعوت ہی یا عداوت ہی - پان بھی بے اعتدالی سے آفت جان ہی - حقہ حاضر ہی - دل لگی - سلام

(۲) نوابی کھیل - کلکتے کے ہر حلقے کے چلتے پرزوں کی خوش فعلیوں کا ایک موثر اور دلکش تصویر بہ پیرایۂ ظرافت -

یہ دونوں کتابیں بھی صاحب خیالات آزاد کے قلم آزاد رقم سے ہیں۔

ملنے کا پتہ

سید اختر حسن - نمبر ۶۲ تالتلا لین کلکتہ